جلد 21 شمارہ 1 ماہ جنوری 2019ء جمادی الاول 1440ھ
واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا
اللہ
صداقت
محبت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل
ماہنامہ
فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ 0344-9000042

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

عبادات واذکار

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

میں نے جہاں تک غور کیا ہے حلقہ کے ستر اسی فیصد آدمی نماز روزے کے خوب پابند ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو تہجد بھی پڑھتے ہیں اور نفی اثبات کا ذکر علی الصبح کرتے ہیں۔لیکن بیس تیس فیصد ایسے بھی ہیں جو نماز با قاعدہ نہیں پڑھتے۔اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کئی کئی ہفتہ نماز نہیں پڑھتے۔اوّل الذکر کا کیا کہنا! ان پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو نماز کا اور زیادہ شوق عطا فرمائے اور ان کی نمازوں کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنائے۔آمین۔لیکن افسوس ہے ان کی حالت پر جو نماز با قاعدہ نہیں پڑھتے یا عرصہ دراز تک ناغہ کر دیتے ہیں۔ان لوگوں کو طریقت توحیدیہ غور سے پڑھنی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ نماز با قاعدہ پڑھنے سے ہی انسان پکا مسلمان بنتا ہے اور جو پکا مسلمان ہی نہ ہو وہ لاکھ ذکر کرے مومن کس طرح بن سکتا ہے اور درجہ احسان پر کس طرح فائز ہو سکتا ہے۔نماز نہ پڑھنے والوں میں سے اکثر آدمیوں کے جو خطوط میرے پاس آتے ہیں۔ان میں وہ لکھتے ہیں کہ ''مجھ کو نماز پڑھنے میں سخت سستی و کاہلی محسوس ہوتی ہے۔ اس واسطے ناغہ ہو جاتا ہے۔''یا یہ کہ ''ڈیوٹی کی وجہ سے نماز نہیں ہو سکتی''یا یہ کہ ''نماز میں دل نہیں لگتا''اور ایسی باتیں لکھنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ''آپ دُعا کریں کہ میں نماز با قاعدہ پڑھا کروں''میں ان لوگوں کو ہمیشہ یہ جواب دیتا ہوں کہ نماز کے لیے سستی اور کاہلی وغیرہ کا عذر بالکل مسموع نہیں ہو سکتا۔نماز ایک اختیاری شے ہے۔

اختیاری شے کے لیے دعا نہیں کی جاتی۔آپ سستی و کاہلی وغیرہ کے باوجود نماز پڑھیں۔ رفتہ رفتہ عادت ہو جائے گی۔آپ با قاعدہ نماز پڑھنے لگیں گے اور دل بھی لگنے لگے گا۔میں ان حضرات سے پھر کہتا ہوں کہ براہ مہربانی مجھے ایسی اختیاری باتوں کے لیے دعا کیلئے نہ لکھا کریں خود کوشش کریں۔دعا البتہ میں کر بھی دیتا ہوں لیکن جس چیز کی آپ کو دل سے رغبت اور خواہش

ہی نہ ہو اس چیز کے لیے دوسروں کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ دُعا تو ان چیزوں کے لیے قبول ہوتی ہے جن کی آپ کو دل سے خواہش ہو اور وہ باوجود کوشش بسیار میسر نہ آئیں۔ روزے کے متعلق جہاں تک مجھے علم ہے تقریباً سبھی رکھتے ہیں سوائے چند آدمیوں کے جو شرعاً معذور ہوں۔ زکوٰۃ اور حج کا مجھے علم نہیں کہ ہمارے حلقہ میں کن کن لوگوں پر فرض ہے۔ صرف تین چار آدمی ہیں جو ہر سال زکوٰۃ کا کچھ حصہ فنڈ میں دیتے ہیں۔ حج کی بابت مجھے مطلق علم نہیں کہ کس کس پر فرض ہے۔ بہرحال جن لوگوں پر یہ دونوں چیزیں فرض ہوں ان کو ضرور یہ فرض ادا کرنا چاہیے۔ اس سے خدا ان کے مال و دولت میں بہت برکت دے گا اور آخرت میں سرخرو فرمائے گا۔ جو لوگ یہ فرض ادا نہ کریں گے مرنے کے بعد اللہ ان سے پوچھے گا اور وہ سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

اب رہے اذکار یعنی پاس انفاس اور نفی اثبات کا ذکر۔ تو وہ اس قدر آسان ہیں کہ ان کے لیے مطلق وقت درکار ہی نہیں ہوتا۔ پاس انفاس تو آپ دن اور رات میں جس وقت بھی خالی ہوں اسی وقت کر سکتے ہیں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے۔ بتائیے یہ کون سا مشکل کام ہے۔ اب اس سے زیادہ آسان ترکیب تو میں بتا نہیں سکتا۔ رہا نفی اثبات تو میں نے بتایا ہے کہ وہ دس یا زیادہ سے زیادہ بیس منٹ کرنا کافی ہے۔ اگر آپ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے پندرہ بیس منٹ بھی خرچ نہیں کر سکتے تو پھر یقین کر لیجیے کہ آپ کا سلوک کبھی کامیابی سے طے نہیں ہو سکتا اور آپ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ عجیب بات ہے کہ اگر آپ کو لاہور سے پشاور یا کراچی جانا ہو تو اس کے لیے کتنا اہتمام کرتے ہیں۔ ٹیکسی منگاتے ہیں اس پر سٹیشن جاتے ہیں وہاں ٹکٹ خریدتے ہیں پھر گھنٹوں ریل میں بیٹھے رہتے ہیں تب منزل مقصود پر پہنچتے ہیں۔ مگر خدا تک پہنچنے کے لیے دس پندرہ منٹ بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ شرم آنی چاہیے!!!

بات دراصل یہ ہے کہ سستی و کاہلی اور دل نہ لگنا تو بہانے ہیں ان لوگوں کو خدا کی طلب ہی نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو محض رسماً حلقہ کے خدام کی بے پروائی سے حلقہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جن کو طلب تو ہو لیکن قوت ارادی اس قدر کمزور ہو

کہ سستی و کاہلی پر غالب نہ آسکیں۔ان لوگوں کو قوت ارادی کے طاقت ور بنانے کی ایک ترکیب بتا سکتا ہوں۔اگر وہ کوشش کریں گے تو کامیابی یقینی ہے۔ترکیب یہ ہے کہ آپ کسی چھوٹی اور معمولی سی بات کو جس کا کرنا آپ کے لیے بہت ہی آسان ہو اپنے اوپر لازم کرلیں اور وقت مقررہ پر اس کو ضرور کرلیا کریں۔جب اس کی عادت ہو جائے تو اس سے کچھ مشکل سی بات کو اسی طرح اپنے اوپر لازم کر کے انجام دیتے رہیں اور یونہی رفتہ رفتہ آسان باتوں سے مشکل باتوں کی طرف بڑھتے اور کرتے رہیں۔اس طرح ایک دن وہ آئے گا جب مشکل سے مشکل بات بھی آپ کو بالکل آسان معلوم ہوگی اور اس کو سرانجام دینے میں آپ کو ذرا بھی تکلیف یا دقت نہ ہوگی۔اس بات کو زیادہ واضح اور قابل فہم بنانے کے لیے دو ایک مثالیں بیان کرنا ضروری ہیں۔

مثلاً آپ یہ بات اپنے اوپر لازم کرلیں کہ جب سونے لگیں تو کسی معمولی چیز مثلاً کرسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی خاص جگہ پر رکھ دیا کریں تب سوئیں۔اب آپ روزانہ کرسی کو اٹھا کر اسی خاص جگہ پر رکھ دیا کریں یہاں تک کہ آپ کو اس کی عادت ہوجائے یعنی بغیر ارادہ کیے عادتاً ایسا کرنے لگیں۔اس کے بعد آپ اس کام کو چھوڑ کر کوئی ذرا مشکل کام اپنے اوپر لازم کرلیں۔مثلاً یہ کہ جب تک آپ اپنے کمرے یا صحن میں پورے سو قدم گن کر ٹہل نہ لیں اس وقت تک ہرگز نہ سوئیں۔جب یہ بھی ہو جائے تو گھڑی دیکھ کر پورے دس یا پندرہ منٹ ٹہلنا یا کچھ پڑھنا لازم کرلیں۔یہ بھی ہوجائے تو پھر یہ لازم کرلیں کہ روزانہ وضو کر کے سویا کریں۔یہ بھی ہوجائے تو وضو کے بعد دو نفل پڑھنا بھی لازم کرلیں۔اس کے بعد دنیا کے کاموں میں سے کوئی مشکل سا کام منتخب کریں اور دو چار سال یونہی کرتے رہیں۔آخر میں آپ دیکھیں گے کہ انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے آپ کی قوت ارادی اتنی طاقتور ہوجائے گی کہ دنیا کا کوئی کام آپ کیلئے مشکل نہ رہے گا۔مگر شرط یہی ہے کہ آپ دل سے یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہوں اپنے آپ کو دھوکا نہ دے رہے ہوں۔

(اقتباس از : چراغِ راہ)

عبادات کی اہمیت

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

دین اسلام میں داخل ہونے والے انسان کے لیے اللہ نے جن خاص عبادات کی پابندی لازمی یعنی فرض قرار دی ہے وہ اس میں اللہ کی حاکمیت کا احساس زندہ رکھتیں اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے بچاتی ہیں۔ایک مومن کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے ربّ کا ذکر کثرت سے کرے، اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور متاع ارضی کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرے اور اس کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنائے۔لازمی عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی پابندی کے لیے قرآن میں سینکڑوں مرتبہ تاکید کی گئی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے اسے ایمان کی پہچان، مومن کی معراج اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔روزہ، زکوٰۃ اور حج تو سال میں ایک مرتبہ ادا کیے جاتے ہیں اور ان میں بھی زکوٰۃ اور حج صاحب استطاعت لوگوں پر ہی فرض ہیں لیکن نماز ایسی عبادت ہے جو ہر روز پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اور کسی بھی حالت میں اس سے رخصت نہیں اور زندگی کے آخری لمحات تک اس کی پابندی لازمی ہے۔اس عبادت میں جو حکمت پوشیدہ ہے ذرا اس پر غور فرمائیں۔جب ایک مومن پابندی کے ساتھ پانچ وقت اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر با جماعت

نمازادا کرتا ہےتو اوپر بیان کیے گئے تمام محاسن کی تربیت میں گزرتا ہے۔وہ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر کےاذان کی آواز پر لبیک کہتا ہوااللہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔وہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی نیند، راحت، آرام، کام کاج، گھربار، مال ومنال اورآل اولاد کی محبت کوتوڑ کر اللہ کے حضور پیش ہوکر یہ ثابت کردیتا ہے کہ اس کی وفا کاقبلہ اورمحبت کا مرکز صرف اللہ کی ذات ہے۔نماز کے دوران قیام ورکوع وسجود میں بار بار اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتا،اس کے سامنے سرتسلیم خم کرنا اوراس کی عظمت وکبریائی کے سامنے بصد عجز و نیاز اپنی پیشانی سجدے میں رکھ دیتا ہے۔دنیوی مقام ومرتبہ کے امتیاز کے بغیر ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر اخوت ومساوات کا عملی سبق سیکھتا ہے۔دن میں پانچ مرتبہ دوسرے بھائیوں سےمل کران کے دکھ سکھ سے آگاہ ہونا اورحتی المقدوران کی خدمت اورمدد کرتا ہے چونکہ آخرت کی زندگی میں جنت کا داخلہ اسی صورت میں ممکن ہوگا، جب نفس اورجسم کوبھی اللہ کی اطاعت پرلگایا جائے۔اسی لیے شریعت میں ان سب کی اصلاح کا انتظام بڑی حکمت سے کیا گیا ہےنماز اورکثرت ذکر سے روح کو غذا ملتی ہے اور قلب اطمینان پاتے ہیں۔دل کی نورانیت سے نہ صرف نفس کی اصلاح ہوتی ہے بلکہ جسم کی جلد بھی نرم ہوکر ذکر میں لگ جاتی ہے۔نماز کےعلاوہ رمضان المبارک کے روزےتزکیہ نفس کے لیے سالانہ تربیتی کورس کیلئے نہایت مفید ہیں۔زکوۃ مال ودولت کی محبت کوتوڑنے کا ذریعہ ہےاورحج رنگ ونسل اورملک وزبان کے بتوں کوتوڑ کروحدت انسانیت اور اسلام کی عالم گیریت کاعملی مظاہرہ ہے۔

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں آنے والے ایک صحابیؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ جو شخص آیا تھا، یہ جنتی ہے۔ دوسرے دن پھر وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جنتی ہے!!! تیسرے دن پھر وہی آئے تو حضور ﷺ نے پھر وہی فرمایا۔ ایک صحابی نے کہا کہ دیکھتا ہوں کہ کیا خاص عمل ہے جو یہ کرتے ہیں۔ وہ ان کے ہاں چلے گئے۔ نوجوان صحابی تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں دو تین دن آپؓ کے ہاں رہنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آ جاؤ۔ وہ ان کا مہمان بن گیا، صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا خاص کام کرتے ہیں۔ کوئی خاص عمل اسے وہاں نظر نہیں آیا۔ نمازیں ٹھیک ٹائم سے پڑھیں۔ اُٹھے اور کام پہ چلے گئے۔ دو تین دن کے بعد انہوں نے کہا کہ اچھا جی میں چلتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں دراصل اس لئے آیا تھا کہ نبی پاک ﷺ نے تین دن یہ بات فرمائی کہ ابھی جو آدمی آیا ہے، وہ جنتی ہے۔ تینوں دن آپ ہی آئے۔ میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ آپ کونسا وہ خاص کام یا عبادت کرتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ حضور علیہ السلام نے پیشگوئی فرمائی، خوشخبری بھی دے دی۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے دیکھ ہی لیا کہ میں کوئی خاص عبادت نہیں کرتا۔ پانچ وقت نمازیں ہیں اور بس یہ معمول۔ وہ جانے لگے تو انہوں نے آواز دی کہ میری ایک بات سنو! ''میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف ذرا سا بھی

رنج یا گلہ نہیں ہے۔ میں کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوا، یہی بات ہے بس!!!!

یہ بہت بڑی بات تھی۔ راضی برضا اس طرح تھے۔ اب ہر آدمی کے کوئی نہ کوئی تو خلاف ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی مخالفت تو ہوتی ہے۔ یہ ہوتا رہتا ہے۔

باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ جو بھائی حلقے سے نکل گئے یا ناراضگی ہوگئی اور وہ چلے گئے تو ان سے آپ ناراض ہو گئے ہیں یا خوش ہو گئے ہیں؟ باباجیؒ نے فرمایا کہ میں کبھی کسی سے ناراض ہوتا ہی نہیں، جو کچھ کوئی مرضی کرے۔ میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ غلطی لوگ کریں اور سزا میں بھگتوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ ہمارا مرید تھا، ہم نے اس کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، یہ ہے اور وہ ہے۔ اس نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔ یہ باتیں کیں۔ یہ سوچتا رہوں تو اس کا مطلب ہے کہ سزا میں بھگتوں۔ مجھے ہی تکلیف ہوتی رہے گی کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟ جیسے پنجابی میں لوگ کہتے ہیں کہ ہانڈی اُبلے گی تے اپنے کنڈے ساڑے گی۔ میں اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، ابل رہا ہوں۔ اُس کو تو کوئی پتا نہیں۔ یہ حسد یا بغض ایسی باتیں جو کرے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ انہوں نے غلطی کی کہ نہیں آئے۔ چلے گئے اور اس نعمت عظمیٰ سے وہ محروم رہے تو میں کیا ان کو دل میں بسا کہ رکھوں کہ انہوں نے یہ کیا۔ میں کسی سے ناراض ہوتا ہی نہیں۔ ٹھیک ہے جن کے نصیب میں ہے، وہ آجائے گا اور جن کے نصیب میں نہیں ہے تو وہ چلے گئے۔ اللہ کو پتا ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ جس کو میں چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں، آپ چاہتے ہیں تو ہدایت نہیں دے سکتے۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ پتا نہیں کیا کیا اس نے حرکتیں کی ہوں گی، باتیں کی ہوں گی۔ اللہ کو نہیں منظور کہ اس کو۔۔۔ قرآن میں کئی جگہ شروع میں کہا ہے کہ؛

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ (سورۃ البقرہ: آیت:۷)

آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، مسلمان نہیں ہوں گے۔ ان کے دلوں پہ مہریں کر دی گئی ہیں۔ آپ وعظ کریں یا نہ کریں، ان کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب اللہ کہہ رہا ہے کہ کریں تب بھی کچھ نہیں ہوگا اور نہ کریں تب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ وہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ کا اپنا ایک نظام ہے کہ یہ کسی کو لاعلاج قرار دے دیتا ہے کہ اب وہ ٹھیک نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی یہ اعلیٰ کردار کی بات ہے کہ میں کسی سے ناراض نہیں ہوتا۔ غلطیاں لوگ کریں اور سزا میں بھگتوں، وہ نہیں آئے، نکل گئے تو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں، آپ فکر نہ کریں، ان کے نصیب میں نہیں ہوگا۔

یہ بات ہے کہ وہ ٹھیک ہو جاتا ہے پھر اس کا من اس دنیا اور اس دنیا کی چیزوں میں نہیں لگتا۔ علامہ بھی کہتا ہے: ؎ عجب چیز ہے لذت آشنائی

جب اللہ والی، آشنائی والی بات اسے کسی چینل سے مل جاتی ہے، خدا کے پیار والی بات ذکر سے یا فیض سے یا توجہ سے، کسی اللہ والے سے تو پھر اس میں ایک ایسا لطف و سرور اس کو ملتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ کسی اور چیز میں نہیں ہے تو پھر اسی پر Attachment اس کی ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ کے ذکر میں ہی لذت پاتا ہے، وہ اسے اور زیادہ کثرت سے کرتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے۔ اسی میں لگا رہتا ہے تو وہ اس کا نظام جو ہے۔ وہی بندہ پھر صحیح ہو جاتا ہے۔ اس نے Attachment دنیا کے ساتھ کر رکھی تھی، یہاں یہ زمین و آسمان میں اللہ کی قدرت کی یہ ساری آیات جو بکھری پڑی ہیں، اللہ کہتا ہے کہ:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۔ (سورۃ الذاریات ۵۱۔ آیت ۲۰)

زمین میں اللہ کی نشانیاں ہیں، سارے یہ درخت، یہ پتے، یہ پھل اور پھول جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اس میں بندہ زمین پر آ کر سارے یہ Instruments استعمال کر کے اندر جو اتفاق، تفہیم اور روئیدگی ہے اس کے کمال درجے کا جوہر جو ہے اس کو استعمال کر کے وہ

سب سے اچھا عارف بن سکتا ہے۔وہ اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ یہاں سے عارف بن کے جائے۔جنت میں تو وہ معصوم بچے کی طرز پر پیدا ہوا تو اس کو دنیا کا پتا نہیں تھا کہ یہاں کیا ہے۔

وہ اللہ والے فقیر ان کی کہانیاں پڑھیں اور قصے پڑھیں، وہ ایسے ہی ساری عمر گھومتے رہے۔فقیر بن کے چلے نہ شادی نہ بیاہ کیا۔جو مجذوب ٹائپ تھے، جو مجذوب نہیں تھے تب بھی ایسے کئی گزرے کہ بس فقیرانہ طرز زندگی بسر کی، کوئی ٹھاٹھ باٹھ نہیں رکھا۔بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے بھی آستانہ بنا دیا۔بابا جیؒ کہتے تھے کہ ہمیں گھر والے تو سارے چھوڑ گئے تھے، وہ سارے امیر لوگ تھے۔نوکریاں کرتے تھے، کاروبار کرتے تھے۔ہم اس فقیری لائن میں آ گئے، کبھی نوکری کی، کبھی چھوڑ دی، کبھی کاروبار کیا پھر چھوڑ دیا۔انہوں نے ہمیں Lift نہیں کرائی کہ یہ ایسے ہی ہے، ناکام ہو گیا ہے۔اب اللہ میاں نے حلقہ بنا دیا، یہاں پر بھائی بھی آ گئے۔ہمارا آستانہ بھی بن گیا تو پھر انہوں نے کہا کہ یہ تو بڑا اچھا ہو گیا کہ وہاں آستانہ بن گیا۔مرید بھی بڑے ہیں جو بیٹوں سے زیادہ خدمت کرنے والے ہیں۔اتنے کہاں بیٹے خدمت کرتے ہیں، جتنا ہمارے بیٹے خدمت کرتے ہیں۔اب انہوں نے آنا شروع کیا ہے۔بعد میں جب مرکز بن گیا پھر بھائی بھی آ گئے، اور بھی عزیز رشتہ دار آنے لگے۔کہنے لگے کہ ہاں یہ بات ہے کہ جو اللہ کا دامن تھام لیتا ہے تو وہ بھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے اس غرض کے لئے نہیں کیا تھا۔وہ تو اپنی لگن میں تھے۔لگن لگ گئی تھی۔اسی میں نوکری چھوڑ دی۔بنوں چلے گئے، وہاں بیٹھے رہے۔پونے نو سال وہاں رہے پھر ادھر آئے۔ان کو تو اس کی ہوس نہیں تھی کہ مکان ہو، بلڈنگ اونچی ہونی چاہئے یا وہ۔چھوٹا سا کمرہ تھا، اس میں نیچے گدے ڈال کر لیٹے رہتے تھے۔وہیں سوتے۔اٹیچ باتھ روم تھا۔وہیں رہتے تھے۔اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر دیتا ہے۔وہ نکل آتے ہیں ان سے۔یہ زکوٰۃ کے نصاب جو ہیں یہ کسی اور

کی خاطر ہیں۔سونے چاندی کا نصاب جو ہے یہ کسی اور کے لئے ہے۔فقیروں کے لئے نہیں ہے۔نہ وہ جمع کرتے ہیں، نہ وہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے،حضورﷺ نے بھی کبھی زکوٰۃ نہیں دی۔

بس اللہ نصیب میں یہ کر دیتا ہے۔اب یہ ایسا ٹائم ہے مسلمانوں کہ بس۔اللہ کا شکر ہے کہ چلو اب بھی صوفیاء کے ادارے قائم ہی ہیں۔جن کو شوق ہے وہ جاتے بھی ہیں۔تبلیغی جماعت ہے،ان کا رائیونڈ میں اجتماع ہوتا ہے۔لوگ جاتے ہیں۔بیعت بھی ہوتے ہیں۔تبلیغ کے لئے بھی جاتے ہیں۔دلوں میں بھی آہستہ آہستہ چلو چل ہی رہا ہے ناں کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت۔خاندانی سہی تب بھی ان میں بڑے اچھے اچھے لوگ ہیں۔اللہ کا ذکر ہے وہ کرتے بھی ہیں،جن کو ذوق ہے ان کے لئے سامان اللہ نے رکھا ہی ہوا ہے۔ان کو مل ہی جاتا ہے۔طلب ہونی چاہئے بس۔ پھر اللہ کریم ملا ہی دیتا ہے۔بلکہ اس کام کے لئے پیدا کیا ہے،انسان کو محبت کے لئے۔بندہ اللہ سے کہے کہ مجھے تیری محبت چاہئے،اس کو کیسے اللہ میاں انکار کر دے گا کہ نہیں بھاگ جاؤ!!!! احمد رفیق اختر نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس مشکلوں بھری دنیا میں، میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اس سے آسان کام اور کوئی نہیں ہے کہ آپ اللہ کو پانا چاہتے ہیں اور آپ کی صحیح Priority ہے۔یہ نہیں کہ سارے کام پھر ٹُر کر دنیا کہ پھر چلو جی ہم اللہ والے بھی دیکھ ہی لیتے ہیں، کہیں کام نہیں بنا۔ اگر آپ کو واقعی اللہ میاں کی طلب ہے تو اس نے کہا کہ میں اس مشکلوں بھری دنیا میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اس سے آسان کام اور کوئی نہیں ہے کہ آپ اللہ کو پانا چاہتے ہیں۔چونکہ جس کام کے لئے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہی بات انسان مانگے کہ اللہ میاں تیری راہ پہ آنا چاہتا ہوں، تیری محبت کا طالب ہوں۔میرا بندوبست فرما دے تو اللہ تعالیٰ کیسے اسے Reject کر سکتا ہے۔ صحیح طلب ہونی چاہئے۔وہ ضرور اس کا بندوبست کرے گا۔کوئی نہ کوئی بندہ ملا دے گا۔خواہ وہ دس سال کے بعد ملائے۔باباجی بھی اتنے سال، دس سال بھاگتے رہے۔مزاروں پہ۔کبھی ادھر اور

کبھی اُدھر، ساری جگہ لیکن ان کا اپنا معیار تھا۔ ہر ایک بندے کا اپنا معیار ہوتا ہے کہ نہیں اچھا لگا، میں چاہتا تھا کہ ایسا ہو، سادگی بھی ہو۔ بہر حال وہ اللہ میاں نے ملا دیا کہیں وانڈے گئے تھے، وہاں ،مولانا صاحب آئے ہوئے تھے۔ وہاں جو گئی بات تو ان کے ساتھ ہو گیا۔ پھر آگے بھی بندوبست ہوا۔ Basic training انہوں نے کرا دی۔ In advance کہا کہ تمہارا ایک یار ملے گا اس کے پاس تمہارا حصہ ہے۔ بارہ سال بعد ملے گا۔ اس کی توجہ سے تمہارے اندر وہ صلاحیت پیدا ہوگی جو اللہ کو دیکھنے کے لئے ضرورت ہے۔ اس کے فیض سے ہوگی۔ اب یہ اللہ کے ہاں Manage تھا سب کچھ کہ کیسے کرتا ہے۔ وہ صاحب کشف تھے، انہوں نے بتا دیا کہ کیسے کرنا ہے۔ نہ بھی بتاتے تب بھی ایسے ہی ہونا تھا۔ لیکن انہوں نے بتا دیا کہ ایسے یہ ہوگا۔ اب یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کو دیکھنے کی ایک تڑپ تھی ۔ یہ طلب بھی بڑی عجیب تھی۔ کسی نے کم ہی بات کی ہے۔ اتنے سخت اور Strong ہو کر کہ میں اللہ کو دیکھنا چاہتا ہوں ۔انہوں نے ،مولانا کریم الدین احمدؒ نے تشفی بھی دی کہ یہ ہوسکتا ہے۔ ہوگا۔ تمہارے لئے خاص انہوں نے بتایا۔ انہوں نے پوچھا کہ میرے نصیب میں ہے؟ وہ بھی انہوں نے بتا دیا کہ ہے۔ زبردست بات بتائی کہ جب تک دیکھو گے نہیں تو مرو گے نہیں۔ ایسا ہی نظام تو اللہ نے بنا رکھا ہے۔ وہ چلتا بھی رہے گا تو آہستہ آہستہ دنیا آ بھی رہی ہے اور سمجھ بھی رہی ہے ۔ یہ سارے تجربات ۔اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ کوئی صاحب نظر بزرگ جو ہیں اللہ والے جب تک وہ نہیں ملتے ،دلوں کے اندر خدا کی محبت کا بیج نہیں ڈالتے ، اور یہ پھوٹتا نہیں ہے ۔کوئی اہل دل ملے تو اس کے ارادے سے یہ پھوٹتا ہے ۔وہ جیسے کلیاں ہیں ،نسیم سحر سے وہ چٹختی ہیں، پھول بنتی ہیں ۔اسی طرح جو اللہ والے ہیں، ان کا وجود بھی نسیم سحر کی طرح ہوتا ہے، وہ دلوں کی دنیا کے لئے ایسے چلتی ہے ۔خدا کی محبت اندر جاگ اُٹھتی ہے، اس کے بغیر نہیں اُٹھتی۔

امریکن مصنف Nixon کی کتاب Beyond peace کا تعارف تھوڑا سا پڑھا تھا۔ کسی رسالے میں آیا تھا کہ اس نے ایسی کتاب لکھی ہے۔ وہ پھر مل ہی گئی حامد صاحب کے پاس۔ میں نے کہا کہ لے ہی آو۔ اس نے یہی کہا۔ اس کی Theme یہی تھی کہ ہم لوگ جو دنیا کے لئے کوشش کررہے ہیں کہ مادی صحت کے لئے یہ سہولتیں مل جائیں۔ کاریں، گاڑیاں مل جائیں۔ روزگار مل جائے۔ صاف ہوا، مکانات، اور یہ سہولتیں جو ہیں اس کے لئے ہمیشہ سے مشہور رہا۔ Russia بھی یہی کوشش کررہا تھا کہ انسان کو یہ چیزیں مل جائیں تو وہ خوش ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا، ہم نے Democracy پر کیا۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارے یہ سارے Estimates جو تھے، وہ غلط ثابت ہوئے۔ ہم جوانی میں یہی تعبیریں کرتے رہے کہ یہ سارا کچھ مل جائے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ انسان خوش ہو جائے گا۔ اس نے کہا کہ اب امریکن سب سے خوش ترین قوم ہونی چاہئے تھی۔ اتنی ہمارے پاس دولت ہے۔ ہمارے پاس اتنی Facilities ہیں کہ ہر ایک کو مکان ملا ہوا ہے، چار چار کاریں گھر میں کھڑی ہیں، ہر کمرے میں ٹی وی لگا ہوا ہے۔ بچوں کا اپنا ہے، جو مرضی دیکھے۔ ہم اپنی نوجوانی میں یہی نعرہ لگاتے تھے کہ چرچ جانے کا کیا فائدہ ہے، بغل میں کتابیں ڈالیں کہ یہ جارہے ہیں چرچ۔ اس کا کیا فائدہ ہے؟ کام کرو، پیسے کماؤ۔ زندگی خوشحال کرو۔ ہم نوجوان لوگ ان کا مذاق اُڑاتے تھے کہ اس کا کیا فائدہ ہے۔ اس نے کہا ہم نوجوان لوگ تھے، ہم نے خوب پیسہ کمایا۔ یہ پیسہ اور بہت کچھ جمع ہو گیا۔ اب بڑا پیسہ ہے۔ بڑھاپا آسانی سے گزر رہا ہے۔ پینشن بھی مل رہی ہے لیکن وہ سکون ملا نہیں۔ وہی بوڑھے ہیں، انہوں نے بائبل دبائی ہے اور چرچ ہی جارہے ہیں۔

اس نے پھر دوسری بات کی کہ جو معاشرہ مطمئن ہوتا ہے، اس میں کرائم نہیں ہوتا۔ Satisfied لوگوں کے ہاں کرائم نہیں ہوتے۔

لیکن America is reinfalled in it. America is gutted with crime. انڈیا یا کسی غریب جیسے کلکتہ کی کچی بستیوں میں جیسے کرائم ہوتے ہیں، اس سے بھی زیادہ یہاں ہمارے ہاں ہوتے ہیں۔ وہ رات کو اکیلے نہیں جاسکتے۔ پولیس گارڈ دیتی ہے کہ جاؤ جی اب پیسے لے کے جاؤ۔ کوئی بھی کھڑا ہو سکتا ہے، کسی کونے میں۔ پیسے نہ ہوں تو وہ اسے بھی گولی مار دیتے ہیں کہ گھنٹہ کھڑا ہوا اور تمہارے پاس پیسے کیوں نہیں ہیں۔ پیسے ابھی دے کے جاؤ اور خود دے کے جاؤ۔ ہیرو بننے کی کوشش نہیں کرنی۔ مطلب یہ کہ ساری باتیں ہیں، نیند نہیں آتی۔ ٹنوں کے حساب سے ہم Sleeping pills کھا رہے ہیں۔

مطلب یہ کہ ہم جو یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان جو ہے یہ مادیت سے خوش ہو گا تو یہ مادیت سے خوش نہیں ہو سکتا۔ Russia بھی اسی طرح فلاپ ہو گیا۔ غیر مطمئن ہو گیا۔ اسی طرح وہاں پر بھی خودکشیاں ہو رہی ہیں، سب کچھ ہو رہا ہے، تو یہ مادیت سے سکون والی بات وہاں بھی نہیں ہے۔ انسان جو ہے اسے روحانیت میں راہنمائی چاہئے۔ آئندہ اگر امریکہ چاہتا ہے کہ میں دنیا کو Lead کروں تو اسے روحانیت میں دنیا کی راہنمائی کرنا ہو گی۔ یہ تھا Nixon کی اس کتاب کا Theme۔'Beyond peace' مطلب یہ کہ ہم یہ کچھ کرلیں تو دنیا میں Peace ہو جاتا ہے۔ کوئی جنگیں نہیں رہتیں۔ اب وہ تو ہمارا لوٹ کا نظام ہے جسے ہم ختم ہونے نہیں دیں گے۔ اگر فرض کرلو کہ کوئی جنگیں نہیں رہتیں، تمام معاملات صحیح طے ہو جاتے ہیں There is no war. لوگ Peace میں رہ رہے ہیں، سب کے پاس گاڑیاں ہیں تو انسانیت خوش ہو جائے گی؟ خوش نہیں ہو گی۔ انسان صرف مادی نہیں ہے کہ مادہ سے خوش ہو جائے گا۔ یہ اس کا تھا Beyond peace کہ جب Peace دنیا میں دائمی امن ہو بھی جائے تب بھی انسان خوش نہیں ہو گا۔ اس کو روحانیت کی تلاش ہے۔ اس نے اپنی قوم کو کہا کہ اگر

تم نے دنیا کو Lead کرنا ہے تو تمہیں روحانیت میں Lead کرنا پڑے گا۔

اب وہ کہاں سے لائیں گے روحانیت؟ جن کی روحانیت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں۔ ان کی ماں مریم علیہ السلام بھی خدا ہیں، اور خدا بھی خدا ہے۔ تینوں مل کر خدا ہیں۔ جس کی بنیاد ہی توحید کی نہیں ہے وہ دنیا کو کس طرح روحانیت کے حوالے سے گائیڈ کر سکتا ہے۔ ان کی اپنی روحانیت ہی ساری مشکوک ہے لیکن اس مصنف نے مرض کو پہچان لیا کہ انسان مادیت سے خوش نہیں ہوسکتا۔ ورنہ سب سے خوش ترین قوم ہم ہوتے۔ ہم نہیں ہیں۔ اس نے بڑی زبردست بات کی ہے۔

باباجانؒ (قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب) نے راقم سے پوچھا کہ آپ کے پاس نہیں ہے Nixon کی یہ کتاب Beyond peace ؟ باباجانؒ کو جواب ملا کہ میں نے یہ کتاب یہاں مرکز کی لائبریری میں دیکھی تو ہے کہ یہاں پڑی ہے، مگر میرے پاس نہیں ہے۔ فرمانے لگے: بیٹا لایا تو تھا مگر پتا نہیں کہ اس کو واپس کر دی ہے کہ نہیں۔ اس کا عنوان یہ تھا۔ Beyond peace۔ بات سمجھنے کی یہ ہے کہ انسان کی ضرورت اصل یہ نہیں ہے کہ کاریں ہوں، ٹھنڈی ہوا ہو، ٹھنڈے مکانات ہوں، اور Facilities ہوں Health کی، Schooling کی، اور روزگار کی۔ یہ بھی اچھا ہے مگر صرف یہ نہیں ہے۔ اب وہ یہاں پہنچ گئے ہیں کہ اس سے کام نہیں چلے گا۔ ان کو روحانیت میں راہنمائی چاہیے۔ یہ لوگ اس کی جستجو میں ہیں کہ روحانیت چاہیے مگر اس کی Base جو ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے۔ اصل روحانیت مسلمانوں کے پاس ہے بات یہ ہے کہ وہ بھی اس پر آرہے ہیں کہ اگر روحانیت کا دور آتا ہے، اگر یہ چاہیے تو کہاں سے ملے گی۔ ہوسکتا ہے کہ جی وہ آجائیں۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ میں بھی شیطان نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں زمانے کے تقاضوں سے تنگ آ کے وہ آ ہی نہ جائیں کہ چلو ذرا اس پیغمبر کو بھی آزما ہی لیا جائے

وقت کے تقاضوں سے تنگ آ کے کہ کہیں کوئی حل نہیں بن سکا شاید وہ لوگ اس طرف آہی جائیں۔اس مسلمان کو تم دبا کے رکھو۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے

پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

جب ان سے کوئی جواب ٹھیک نہیں بنا،اس وقت تو وہ اس پر آجائیں گے۔اللہ نے جو کہا وہ غلط تو نہیں ہو سکتا ناں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج ہی یہ ہو جائے۔ Let them travel۔درخت ہے،اس میں پھل نہیں لگتا،خراب ہو گیا جی۔Treaming کرو جی،اس کو بریک کراؤ۔اس کی ٹہنیاں کاٹ دو۔اگر کل وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو پھر وہ نئی پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ انسانیت درخت ہے۔غلطیاں ہو رہی ہیں اور بہتری کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔نیا نیا نظام ہے۔حکومت بنا رہا ہے۔یورپ والے لوگوں کے لیے Welfare کے لئے کیا کیا وہ فلاحی مملکتوں والی Creativity لائے ہیں۔اچھا ہے ان سے Compare کریں۔بڑے زبردست راہ پر وہ بچوں کو نمو دے رہے ہیں۔پیدا ہوتے ہی خرچہ مل رہا ہے۔سکول میں خرچہ مل رہا ہے۔ہر گورے کو پینشن مل رہی ہے۔مزے کر رہے ہیں۔اس لحاظ سے ٹھیک ہی ہے۔ دنیاوی نظام کو انہوں نے سیدھا کیا۔روحانیت میں تو اُدھر یہ چرچ بند ہی ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں نے خرید کر مسجدیں بنا دی ہیں۔

باباجان کا دورۂ راولپنڈی و اسلام آباد

(عبدالکریم توحیدی)

باباجان محمد یعقوب توحیدی ہر سال اپنے تبلیغی و تربیتی دوروں کا آغاز راولپنڈی سے کرتے ہیں۔ اس سال بھی باباجان احمد رضا بھائی اور حاجی احمد بھائی کے ساتھ بروز جمعۃ المبارک 26 اکتوبر 2018 کو راولپنڈی تشریف لائے۔ ریلوے سٹیشن پر راولپنڈی کے مجازین کرام کی قیادت میں بھائیوں نے باباجان کا استقبال کیا۔ اسٹیشن سے یہ قافلہ خواجہ ولی محمد کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ جہاں چند بھائی پہلے سے موجود تھے۔ باباجان نے سب بھائیوں سے فرداً فرداً خیریت دریافت فرمائی اور چند بزرگ بھائیوں کا خصوصی طور پر پوچھا جو ضعف اور بیماری کی بناء پر وہاں پہنچنے سے قاصر تھے۔ آپ نے سب بھائیوں کی صحت کیلئے دعا فرمائی۔ نماز جمعہ سے قبل سب کیلئے چائے کا اہتمام کیا گیا تا کہ سفر کی تھکاوٹ کا ازالہ ہو سکے۔ نماز جمعہ قریبی مسجد میں ادا کی گئی۔ اس کے بعد کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ اس دوران باباجان نے خادم حلقہ سے خصوصی طور پر اور باقی بھائیوں سے بھی سلسلہ کی تعلیم پر عمل کے بارے دریافت فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اصل چیز تعلیم پر دل و جان سے عمل کرنا ہے۔ باقی سب کچھ جو ہم کر رہے ہیں اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ استقامت کی بھی اشد ضرورت ہے۔ باباجان نے فرمایا کہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی داغ بیل اس لئے ڈالی کہ جو غیر شرعی تصورات اور عجمی رسمیں اسلامی تصوف میں داخل ہو گئیں، ان سے تصوف کو پاک و صاف کیا جائے۔ وقت اور زمانہ کی رفتار کے مطابق اوراد و اذکار کی تعلیم کو مختصر، قابل عمل لیکن سریع الاثر تجویز کیا۔ تو اب اگر ہم اس مختصر تعلیم پر عمل کرنے کی بجائے دوسروں کی طرح بیعت اور پیری مریدی کو ہی سب کچھ سمجھ لیں تو یہ ہماری بھول ہوگی۔ اور ہماری ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

کھانے کے بعد بابا جان اور گوجرانوالہ سے آنے والے بھائیوں نے آرام فرمایا۔ تاہم مقامی بھائیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ٹیکسلا، واہ کینٹ، پنڈی گھیپ اور سون سکیسر کے بھائیوں نے بھی شرکت کی۔ نمازِ عصر سے قبل اسلام آباد کے بھائی تشریف لا چکے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد سب بھائیوں کو چائے پیش کی گئی۔ اس دوران بابا جان بھی نئے آنے والے بھائیوں سے ملنے اور ان کی خیریت دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ حکمت کے موتی نچھاور کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ مؤمن کی ایک خوبی صبر ہے۔ قرآنِ پاک میں جہاں بھی مؤمنین کی صفات بیان کی گئی ہیں ان سب میں صبر والی خوبی مشترک ہے۔ مزید فرمایا اللہ پاک سب سے بڑا باریک بین انصاف پسند ہے۔ اور قرآن پاک کی یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی۔

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍخَيۡرًا يَّرَهٗ ۔ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍشَرًّا يَّرَهٗ ۔

''اور جس نے کی ہوگی ذرہ برابر بھلائی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے کی ہوگی ذرہ برابر برائی وہ اسے دیکھ لے گا''۔

نیکی نہ کرنے اور برائی کرنے کا احساس بھی بڑی چیز ہے۔ اسی طرح توحیدیہ تعلیم پر عمل نہ کرنے کا احساس اگر ہے تو انشاءاللہ کبھی نہ کبھی U ٹرن آہی جائے گا۔ اگر احساس ہی نہ ہو تو آدمی کیسے برائی سے بچے گا۔ آپ نے کئی بھائیوں کا مشترکہ سوال دہرایا جو اکثر مواقع پر سننے میں آتا ہے۔ تعلیم پر پوری یکسوئی کے ساتھ عمل نہیں ہو رہا ہے یا ترقی نہیں ہو رہی۔ آپ نے تجویز کیا کہ مسلسل عمل ہماری تعلیم کا حصہ ہے۔ عمل رکنا نہیں چاہیے۔ کسی بھی سمت میں مسلسل بڑھتے رہو۔ خواجہ انصاری صاحبؒ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اگر ساری عمر محنت کے بعد مرتے وقت بھی اللہ پاک کے دیدار کی ایک تجلی میسر آگئی تو یہ بھی گھاٹے کا سودا نہیں۔ کیونکہ یہ سب سے عظیم دولت ہے۔ اور عظیم چیز کیلئے محنت بھی زیادہ چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص سے بیزار ہوتا ہے جو نہ دنیا کیلئے کام کرے اور نہ آخرت کیلئے۔ مغربی ممالک دنیا کیلئے محنت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

سائنس و ٹیکنالوجی میں انھیں اعلیٰ مقام عطا فرمادیا ہے۔ بلکہ دنیا کی حکمرانی بھی انھیں کے پاس ہے۔ جب مسلمان دین کے ساتھ دوسرے میدانوں میں آگے تھے تو دنیا بھی اُن کے قدموں تلے تھی۔

اللہ تعالیٰ کی پیاری صفت رحیم ہے۔ اللہ پاک نے رحمت کو اپنے اوپر فرض کردیا ہے۔ ہم انسان بھی ایک دوسرے کیلئے رحیم ہیں۔ رحمت نہ ہوتی تو ہمارا کیا بنتا؟ اگر زمین ہلنا شروع کردے یا پانی ختم ہو جائے یا سورج روشنی نہ دے وغیرہ وغیرہ تو کیا یہاں زندگی باقی رہ سکتی ہے! اللہ پاک یہ سب نعمتیں اپنی رحمت کے صدقے عطا فرما رہا ہے۔ خالق اپنی تمام مخلوق کی ضروریات کو احسن طریقے سے جانتا ہے۔ اور ہر نوع کی مخلوق کی ہر ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت بھی پوری کررہا ہے۔ لیکن انسان نے اپنی ضروریات کو خود ہی بڑھالیا ہے اور اللہ کے ذکر اور اُس کی محبت سے غافل ہوگیا۔ ذکر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے جو کسی کسی کو ملتا ہے اور وہی خوش نصیب ہے جسکو ذکر کی دولت مل گئی۔ ورنہ کیسے کیسے امیر، خوبصورت، طاقتور، حکمران اور مشہور لوگ دنیا میں موجود ہیں جن کے ایک اشارہ پر بہت کچھ ہوجاتا ہے۔ وہ لوگ اس نعمت سے محروم ہیں۔

نمازِ مغرب کے بعد بابا جان نے گوجرانولہ سے آئے ہوئے بھائی احمد رضا کو دعوتِ کلام دی۔ آپ نے اپنے روایتی انداز میں توحیدیہ تعلیم کا جامع اور اثر انگیز خلاصہ پیش فرمایا۔ اللہ نے یہ کائنات انسان کیلئے بنائی اور انسان کو اپنی پہچان کیلئے پیدا فرمایا:

(وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ سورة الاعراف

"اور یاد کر اپنے رب کو اپنے نفس میں"۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ سورة المزمل "اور یاد کر نام اپنے ربّ کا)

ہماری تعلیم میں بنیادی چیز اللہ کا ذکر ہے، اوّل ذکر پاس انفاس یعنی سانسوں کا لحاظ کرنا۔ جو سانس اندر جائے دل سے اللہ کہو اور جو سانس باہر آئے اُس کے ساتھ بھی دل اللہ کہے۔

زبان سے نہیں بلکہ دل سے اور کان سنیں اور ساتھ یہ خواہش کرو کہ اللہ نظر آجائے ۔مزید یہ کہ اس خواہش میں اضافہ ہوتا جائے ۔باتیں دل میں یاد کی جاتی ہیں ۔جبکہ آیت میں نفس کا ذکر آیا ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو اپنی خواہش نفس بنالو۔یہی اصل ذکر ہے ۔ ابھی ہم سب مل کر با آوازِ بلند جو ذکر کریں گے وہ نفی اثبات کہلاتا ہے ۔یہ ذکر بیٹری چارجنگ ہے یعنی ہماری اللہ سے محبت اور اُسے دیکھنے کی خواہش بڑھتی رہے ۔ جب اللہ بھول جائے اُسے پھر یاد کرو۔طلب بڑھانے کیلئے تلاوت،صحابہ کرامؓ اور اولیاء کرامؒ کے واقعات پڑھیں ۔اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں ۔ جہاں طبیعت مل جائے وہاں بیعت ہو جائیں ۔دل میں اللہ کی محبت اور اُس کی یاد قائم رکھنے کیلئے ذکر پاس انفاس ہے ۔یہ ذکر ہر وقت کریں چلتے پھرتے ،اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے بھی ۔بس بات پریکٹس اور دھیان کی ہے ۔پاس انفاس کو مزید ترقی دینے کیلئے ذکر نفی اثبات کریں ۔ نبی اکرم ﷺ کو یاد کر کے درود شریف باوضو قبلہ رو ہو کر پڑھیں ۔قرآن جتنا بھی ہو سکے پہلے صرف عربی عبارت پڑھیں یہ سمجھ کر کے کہ اللہ پڑھ رہا ہے اور میں سُن رہا ہوں ۔ پھر ترجمہ وتشریح پڑھیں اور بھرپور سمجھنے کی کوشش کریں ۔جو چیز زیادہ دلچسپی کی حامل ہے اسے اپنی ڈائری میں نوٹ کرلیں ۔اس طرح کچھ عرصہ بعد اپنی ڈائری میں بیش قیمت معلومات جمع ہو نگی۔ اب وقتاًفو قتاًاسے دہرالیا کریں ۔نوافل قربِ الٰہی کا ایک اہم ذریعہ ہیں خصوصی طور پر تہجد کے نوافل ۔بیشک دو یا چار رکعت پڑھیں لیکن سکون وخشوع کے ساتھ لمبی رکعت یعنی زیادہ تلاوت اور لمبے رکوع وسجود ۔باباجی ڈار صاحبؒ نے فرمایا کہ رکوع وسجود میں کچھ تسبیحات پڑھنے کے بعد خاموش ہو کر قربِ الٰہی اور دیدار کی خواہش کریں ۔

اسلامی تصوّف وحکمت میں ذکر کے بعد مجاہدہ کی تعلیم ہے ۔اس میں قطع ماسوااللہ ہے ۔ آپ کا دل ہر چیز سے ہٹ کر اللہ کی طرف متوجہ رہے ۔اور اس میں صرف اللہ ہی کی محبت رچی بسی رہے ۔میری ہرگز یہ مراد نہیں کہ اللہ کی یاد کے ساتھ دنیا کو چھوڑ دیں ۔ پہلے بزرگوں نے دنیا سے کنارہ کشی کی ،یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے ۔بہر حال یہ اُس وقت کی ضرورت تھی ۔اب دنیا سے

قطع تعلق کی ضرورت نہیں۔بیوی بچوں کے حقوق اور دنیا بھی ضروری ہے۔صرف دل میں دنیا کی محبت کی بجائے اللہ کی محبت ہو۔دنیا کی مثال ایک کشتی کی سی ہے۔کشتی پانی پر سوار ہو کر سفر کرتی ہے۔اگر پانی کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کا سفر نہ صرف رک جاتا ہے بلکہ کشتی ڈوب جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔لہٰذا دنیا پر سواری کریں اور اُسے اپنے دل میں نہ گھسنے دو، ورنہ دنیا انسان پر سوار ہو جاتی ہے۔مسجدوں میں یہ حدیث بار بار بیان کی جاتی ہے کہ امیر پانچ سو سال بعد جنت میں جائے گا۔اگر پیسہ نہ ہو تو بیوی بچوں کے حقوق کیسے ادا کریں گے۔زکوٰۃ،صدقات اور حج وعمرہ کیسے ادا کریں گے۔یعنی آپ کا دل اللہ کے ساتھ رہے اور باقی تمام فرائض منصبی بخوشی ادا کریں یہی الفاظ خواجہ انصاریؒ نے فرمائے ہیں اور معاشرے سے میل جول بھی رکھیں۔

مجاہدہ میں دوسری چیز تسلیم و رضا ہے۔مالک جو چاہے کرے،غلام سرِ تسلیم خم کرتا رہے۔ خوشی و تکلیف ہر حالت میں اللہ کی محبت و یاد قائم دائم رہے۔دکھ یا تکلیف کی نوعیت کوئی بھی ہو، اللہ کی طرف خصوصی طور پر آپ کیلئے ہے۔ہر کسی کا اپنا اپنا اکاؤنٹ ہے۔کیا کوئی اپنے بینک اکاؤنٹ سے کسی کو کیش نکالنے کی اجازت دیتا ہے۔لہٰذا اپنی تکالیف خوشی سے قبول کریں۔ میاں محمد بخشؒ نے کیا خوب کہا ہے: جنھاں دکھاں تے دل ہر راضی انھاں تو سکھ وارے دکھ قبول محمد بخشا راضی رہن پیارے۔

امریکہ سے خاص خط آپ کے نام آئے کتنی خوشی ہوتی ہے۔ہر آدمی کو دکھ اور خوشی ملتی ہے۔ایک وقت میں آدمی خوش ہوتا ہے یا دکھی۔دو ہی حالتیں ہیں، تیسری حالت نہیں۔لہٰذا اپنی خوشیاں انجوائے کریں اور دکھ بھی قبول کریں۔یہ بات قرب الٰہی کیلئے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کے بعد ہے تزکیۂ اخلاق، محبت و صداقت اپنائیں۔دنیا کی ہر چیز سے محبت کریں کیونکہ مخلوق خالق کی نشانی ہے۔صداقت کا مطلب ہے سچائی و انصاف پر قائم رہیں۔لیکن جب محبت و صداقت کا ٹکراؤ ہو تو محبت کو قربان کر دیں مثلاً اپنے بیٹے، بھائی یا قوم سے انسان کو محبت زیادہ ہوتی ہے۔لیکن جب انصاف کا معاملہ ہو تو پھر بھرپور قوت کے ساتھ اس کے ساتھ

کھڑے ہوں جو اللہ کے نزدیک حق پر ہو۔غصہ ونفرت سے پرہیز کریں۔دنیا کی کسی چیز سے نفرت نہ کریں کیونکہ ہر چیز خالق کی مرضی سے معرضِ وجود میں آئی۔غصہ ہمیشہ اپنے سے کمزور پر آتا ہے۔غصہ کنٹرول کرنا مشکل کام ہے مگر مسلسل کوشش درکار ہے۔

توحیدی تعلیم کا آخری نقطہ حلقہ فنڈ ہے۔قبلہ انصاری صاحبؒ نے اپنی آمدنی کا 2.5% حلقہ فنڈ میں دینا ضروری قرار دیا ہے۔97.5% خود استعمال کریں۔اس لئے آپ کو دینے کی عادت پڑے اور مال سے محبت کم اور اللہ سے زیادہ ہو۔یعنی اللہ کی محبت کی خاطر ہر چیز قربان کرنا سیکھیں۔لیکن اپنے ضروری استعمالات کو بھی مدِنظر رکھنا ہے۔آستانوں،مساجد،غرباء ومساکین کی امداد اور دیگر فلاحی کام ایسے چندوں سے پورے کیے جاتے ہیں۔انصاریؒ نے فرمایا کہ اگر ایک توحیدی ہفتہ وار حلقہ ذکر میں حاضر ہو اور نہ ہی گھر پر ذکر کرے تو بغیر حلقہ فنڈ کے،اُس کا مرکز سے رابطہ اور تعلق کیا ہے،اب اُسے کیسے فیض ملے گا۔

چاروں چیزوں میں کوئی بھی چھوڑیں گے تو روحانیت کے سفر میں کمی ہو گی۔اب آپ سے میری بھرپور التجاء ہے کہ اپنی اولادوں کو توحیدیہ تعلیم سے روشناس کرائیں۔یہ صدقہ جاریہ ہے۔بچپن ہی سے انھیں توحیدی ٹیکہ لگائیں۔ہم میں کئی بھائی ایسے ہیں جن کو بچپن ہی میں الحمد اللہ یہ ٹیکہ ہمارے والدین نے لگایا۔

بعد ازاں حلقہ ذکر،نماز عشاء ادا کی گئی اور پھر باباجان کے ساتھ سب بھائیوں نے کھانا تناول کیا۔کھانے کے بعد حکمت افروز باتوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔باباجان نے فرمایا کہ خواجہ انصاریؒ نے اللہ کے پیار کی خاطر اس سلسلہ کی بنیاد رکھی۔نتائج کے مقابلہ میں توحیدی تعلیم کا نصاب بہت تھوڑا ہے۔پہلے بزرگ لمبے چلے اور سخت مجاہدے کراتے تھے۔اخلاق لازمی شے ہے۔بغیر اخلاق کے سابقون کا مرتبہ ملنا ایسے ہی مشکل ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا نکلنا۔اللہ کے سب سے بڑے نبی رحمت العالمین محمد ﷺ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہے۔اس بات سے اخلاق کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔یہ دو دن کا کام نہیں۔ایک چیز پکڑیں

تب سالوں بعد نتیجہ ملے گا۔ تلاوت قرآن مجید کو بھی ہماری تعلیم میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ بیشک ایک پاؤ پارہ روزانہ تلاوت کریں لیکن ایسے کہ اللہ پڑھ رہا ہے اور میں سُن رہا ہوں۔ گیپ نہ ہو باقاعدگی اللہ کو پسند ہے اور اللہ سے رابطہ بھی برقرار رہتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں بابا جان نے فرمایا کہ آپ کو نفرت کا حق ہی حاصل نہیں کیونکہ سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ اُس کی مرضی اپنی مخلوق کو جس طرح اور جس حال میں رکھے۔ قبلہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ نے فرمایا کہ غصہ کنٹرول کرنے کیلئے گھر سے ابتداء کریں۔ تاہم بعض مواقع پر مصنوعی غصہ ضروری ہوتا ہے لیکن دل میں نہ ہو، صرف ظاہری طور پر۔ پھر فرمایا عمل مسلسل ہو، گیپ نہ آنے پائے۔ سابقون میں شامل ہونے کیلئے سب سے پہلے ایک اچھا مسلمان بننا ضروری ہے۔ کسی کو گالی دیں اور نہ ہی کسی کا دل دکھائیں۔ پانچ وقت کی نماز پابندی کے ساتھ، سال میں ماہِ رمضان کے روزے ، صاحبِ حیثیت پر زکوٰۃ اور زندگی میں حج ایک مرتبہ فرض ہے۔ موقع ملے تو جہاد۔ یہ سب ارکانِ اسلام ہیں۔ ان میں کمی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایک بھی نماز جان بوجھ کر چھوڑی تو کفر ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے لیکن ہے کفر۔ اگلا مقام مجاہدہ ہے۔ دو چیزیں چھوڑ دیں دو مضبوط پکڑ لیں۔ غصہ ایک فطرتی جذبہ ہے۔ کنٹرول کریں۔ ضرورتاً غصہ کا استعمال کریں یعنی اوپر اوپر سے، دل سے نہیں۔ جیسے سمندر کی اوپری سطح پر موجیں اور زیریں پانی پرسکون ہوتا ہے۔ گھر میں یا مظلوم پر بہت غصہ آتا ہے وہاں غصہ کنٹرول کرنا سیکھیں۔

بڑے لوگوں کی برداشت بھی بڑی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں مومن کی 22, 14 اور 7 خوبیاں مختلف مقامات پر بیان ہوئیں۔ ان میں صبر مشترک ہے۔ دراصل صبر ہی برداشت کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ فرض ہے۔ تزکیہ کی ابتداء بھی اسی سے ہوتی ہے۔ تعلیم پر عمل نہ کرنے والا آدمی اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ کیونکہ مرشد سے بیعت کے وقت تعلیم پر بھرپور طریقے سے عمل پیرا ہونے کا وعدہ کر کے پھر بھول جاتا ہے یا سستی کرتا ہے۔ رات دس بجے محفل برخاست ہوئی۔ بروز ہفتہ ناشتہ خواجہ ولی محمد صاحب کے ہاں ہی ہوا۔ کسی بھائی نے محبت کی بات کی تو

باباجان نے فرمایا عالمگیر محبت یہ ہے کہ اللہ کی ساری مخلوق کیلئے اچھا چاہنا ہے۔راستہ بتانا اور نیک مشورہ بھی محبت ہے۔ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کیلئے جذبہ بڑھتا ہے۔ سڑک پار کرانا، راستہ صاف اور کشادہ رکھنا، اپنے گھر اور اجتماعی مقامات کو صاف ستھرا رکھنا، ملی، دینی اور معاشرتی کاموں میں مدد کرنا وغیرہ۔ یہ سب اُمور اللہ کی محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔اور اللہ کی راہ کی طرف کسی کو لانا اور راہنمائی کرنا سب سے بڑی نیکی اور محبت کی علامت ہے۔

صداقت: سچ بات، سچے کام کرنا۔محبت میں خرابی بھی ہوتی ہے۔اُس وقت محبت قربان کردیں۔ہر بات اور ہر موقع پر جھوٹ اور سچائی میں فرق کریں۔سوچ وفکر میں سچائی ہونی چاہیے۔بس محبت جو غلط کرا رہی ہے اُس سے بچیں، یہ چیز آپ کو آسمان تک لے جائے گی۔

دن گیارہ بجے باباجان کافی تعداد میں بھائیوں کے ہمراہ محمد شریف چیمہ بھائی کی رہائش گاہ اسلام آباد دسترہ میل پہنچے۔مختصر حلقہ ذکر کے بعد لنچ پیش کیا گیا۔وہاں پر صحابہ کرامؓ کے ذکر پر باباجان نے فرمایا کہ دورانِ جنگ حضرت علیؓ نے ایک کافر کو نیچے گرایا اور قتل کے ارادے سے اُس کے سینہ پر بیٹھ گئے۔کافر نے غصہ دلانے کی خاطر آپؓ کے منہ پر تھوک دیا تاکہ آپ اُسے اذیت دیئے بغیر جلد قتل کردیں۔آپؓ نے اُسے چھوڑ دیا۔کافر کے پوچھنے پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تجھے خالص اللہ کیلئے قتل کرنا چاہتا تھا لیکن اب میرا نفس بیچ میں آ گیا ہے۔یہ ہم جیسے ہی لوگ تھے۔سب کچھ کیا، تجارت کی، جنگیں لڑیں، بچے پیدا کیے اور گھر کے اخراجات اُٹھائے۔ لیکن اُن کی محنت جداگانہ تھی لہٰذا سابقون میں شامل ہوئے۔اُسی محنت کی ضرورت ہے۔
نفی اثبات کا ذکر ایک تسبیح کرنے میں 6 یا 7 منٹ لگتے ہیں۔اکیلے میں 10 سے 15 منٹ یہ ذکر کریں۔کسی بھی رات کی نماز کے بعد۔شجرہ یاد ہو تو پڑھیں، توجہ لیں اور ختم پڑھ کر دعا کرلیں۔پاس انفاس 24 گھنٹے کا ذکر ہے۔چھٹی بالکل نہیں۔کان نے سننا ہے اور دل نے کہنا ہے۔مرد کے لئے کچھ مشکل نہیں۔کوشش سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ ابتداء میں ذہنی کام میں یہ ذکر مشکل ہے۔ فارغ وقت تلاش کریں بلکہ وقت کیلئے شکاری بن جائیں۔

جب مصروف ہوں فرائض منصبی احسن طریقہ سے ادا کریں۔دل بیار دست بکار۔اللہ خود آتا ہے آپ کی چاہت دیکھ کر۔اللہ ہی غیور ہے۔اپنا پیار طلب اور خواہش بڑھائیں۔وعدہ اخلاق کی ABC ہے۔دن تین بجے وہاں سے واپسی ہوئی۔واپسی پر باباجان نے خالد مسعود بھائی کی والدہ محترمہ کی ہسپتال میں عیادت بھی کی۔مغرب سے پہلے آپ خواجہ صاحب کے ہاں تشریف لے آئے۔ہفتہ کے دن بھی حلقہ ذکر ہوا۔پہلے دن کی نسبت آج بھائیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ایک سوال کے جواب میں باباجان نے فرمایا کہ ہر موقع غم و خوشی،امن و جنگ،صحت وتندرستی ہر حالت میں اللہ ہی کو اپنا مددگار جانیں اور اُسی کی طرف رجوع کریں۔

ذکر میں ناغہ نہ ہو۔سفر میں ذکر کرنا ہے۔آواز کے لحاظ سے ذکر کی تین قسمیں ہیں۔ جہر،جلی اور خفی۔گھر یا مسجد میں انفرادی طور پر ذکر جہر ہے۔لیکن کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔اِس صورت میں جلی ذکر ہے یعنی آواز اتنی ہو کہ صرف خود کو سنائی دے۔گاڑی میں سانس کے ساتھ ذکر کریں یعنی بغیر آواز کے لیکن ضرب جہر کی طرح لگائیں۔سانس پھول جائے تو کلمہ پورا کرلیں۔ ناغہ کی اجازت نہیں۔بانی سلسلہ نے کوئی بات نہیں چھوڑی۔سانس کا ذکر سب سے زیادہ گرمی والا ہے۔جب گرمی سے دماغ متاثر ہو جائے تو درود شریف زیادہ پڑھیں۔آپ نے فرمایا کہ بھائی کہتے ہیں مزہ نہیں آیا تو آپ نے کہا کہ عشق ہو،گرمی بھی ہو۔پھر فرمایا ہمارے نبی اکرمؐ نے عشق نہیں محبت کی ہے۔محبّ بن جاوٗ۔مقامِ روح پر ضرب لگانا ہمیں نہیں سکھایا گیا۔کوئی اور کرتا ہے تو کرے ہمیں ضرورت نہیں۔اِسی ذکر سے ہمارے سارے مقامات انشاء اللہ کھل جائیں گے۔پریم بھی ضروری ہے۔پریم سے انداز ہی بدل جائے گا۔گہرائیوں سے بات نکلے گی تو اپنی آواز ہی عجیب لگے گی۔لودھی صاحب کی بات پر باباجان نے فرمایا کہ ہم جو اپنے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں محض فیض کیلئے ہے۔باقیوں کو ایصالِ ثواب دعا میں کریں۔ پھر فرمایا کہ اولیاء کرامؒ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے جیسے اعضاء دیئے تھے۔وہ محنت کرکے اللہ کو پاسکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں۔

بروز اتوار نشتہ غلام مرتضٰی بھائی کے ہاں کورنگی ٹاؤن میں ہوا۔ بابا جان نے اس موقع پر فرمایا کہ کسی مقصد کے حصول کے واسطے خلوص شرطِ اوّل ہے۔ چونکہ سلوک طے کرنا سب سے بڑا اور پاک مقصد ہے ۔لہٰذا اس کیلئے تو ابتداء سے انتہاء تک خلوص کی اشد ضرورت ہے۔ جو آدمی اپنے مرشد کے پاس سلوک طے کرنے کے علاوہ کسی دوسری نیت یا ارادہ سے آتا ہے مثلاً پیسہ، عہدہ، عزت، مقام و مرتبہ وغیرہ تو وہ آدمی جھوٹا ہے۔ مرشد کے پاس اللہ کی خاطر آنا چاہیے۔ اوّل و آخر اللہ۔ مقصد کیلئے طلب، پھر اس میں اضافہ، مزید خواہش، بزرگوں سے ملاقات اور اُن کی کتابوں سے استفادہ کرنا فائدے مند چیزیں ہیں۔ بے لوث عمل، رکاوٹ یا گیپ نہ ہو۔ چھوٹا عمل لیکن باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ۔ رابطہ نہ ٹوٹے۔ شیطان رخنہ ڈالتا ہے۔ جب دل اللہ کی یاد سے خالی ہوگا تو شیطان اپنی سونڈ دل میں ڈال دیتا ہے۔ اس کے برعکس جب دل میں اللہ کی یاد رچی بسی ہوگی تو شیطان ایسے آدمی کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ عمل میں زیادتی ہی ہو، کمی نہ ہو۔ ستر سال کی عمر میں اب ہم سیکھ رہے ہیں۔ کم عمر ہم سے سبق حاصل کریں تا کہ بعد میں نہ پچھتائیں۔ ہم نے وقت ضائع کیا، آپ ایسا نہ کریں۔ اِس عمر تک آپ کے کئی شاگرد ہوں۔ حدیث پاک سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ایک آدمی بھی بنایا تو آپ کیلئے نجات ہے۔ پھر اُس نے دو بنائے۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ نجات کیلئے بہت ہوگا۔ یہ پیپر کا وقت ہے۔ End پر پیپر چھین لیا جائیگا۔ ماں باپ، بہن بھائی اور دوست احباب نہیں پہچانیں گے بلکہ چھپنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ابھی عمل شروع کیا تو یہاں بھی کامیاب اور وہاں بھی۔ موضوع کے مطابق خالد مسعود بھائی نے بتایا کہ ہمارے نبیؐ ہر نماز کے وقت چار چیزوں کی پناہ مانگا کرتے تھے یعنی عذاب جہنم، عذاب قبر، فتنۂ موت و زندگی اور فتنۂ دجال سے۔

احمد رضا بھائی نے کہا کہ اخلاص کوئی پوشیدہ شے نہیں جس کو ہم ڈھونڈتے پھریں۔ ہم عالمِ مادّی میں ہیں۔ یہ ہماری کوشش، وقت دینے اور وسائل کے استعمال کرنے سے ہے۔ اخلاص کو اسباب کے ساتھ تو لا جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ صرف غار میں نہ گئے بلکہ عملی طور

پر ہر لحاظ سے تمام صحابہ پر اُن کو سبقت حاصل ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے پیروکاروں سے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ آپ کا تعلق، آپ کی مادی اور نفسی قربانی سے ہوگا۔ باباجی ڈارؒ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ سلسلہ کی خاطر اپنی پر سکون گھریلو زندگی ترک کر کے جنگل میں ڈیرہ لگایا۔ Effort یعنی کوشش ایک پیمانہ ہے کہ آپ کتنے مخلص ہیں۔

اللہ کے ساتھ کیسے خالص ہوں؟ اس سوال کے جواب میں بابا جان نے فرمایا کہ اپنے عمل کو جانچیں کہ اللہ یاد ہے، آیا عمل اللہ کیلئے کیا ہے۔ عبادت میں بھی آپ خالص ہوں اور اللہ سے مدد مانگنے میں بھی۔ شیطان آخری وقت تک کوشش کرتا ہے۔ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کا طریقہ ہی اصل ہے یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اگر ہمارے حلقے میں بھی کچھ فالتو ہو تو اُسے چھوڑ دیں۔

ناشتہ کے بعد بابا جان اور کچھ بھائی محمد شریف چیمہ بھائی اور اُن کے صاحبزادوں کی پُرخلوص دعوت پر اُن کے گھر DHA تشریف لے گئے۔ بابا جان کے ایک عزیز کی لاہور میں فوتگی کی اطلاع آنے کی بنا پر مختصر ذکر کے بعد ریفریشمنٹ کی گئی۔ سب بھائیوں نے بابا جان اور اُن کے ساتھ آئے ہوئے مہمانوں کو گوجرانوالہ کیلئے الوداع کیا۔

عید میلاد النبی ﷺ اور ہماری زندگی

(پیر خان توحیدی)

ربیع الاوّل کا ماہ مبارک جو ہر سال ایک نئی صبح لے کر مشرقی افق پر ظہور پذیر ہوتا ہے، اس سال بھی اسی پر رونق صبح اور تجلیات کے ساتھ ظہور رہوا۔ ربیع الاوّل وہ ماہ مبارک ہے جس کے ساتھ کچھ ایسی یادیں وابستہ ہیں جو ہمارے ایمان اور یقین کا حصہ ہیں۔ اسی ماہ مقدس میں عالم گیر انقلاب کے محسن انسانیت سرداروو عالم ﷺ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سرزمین عرب میں ایسے جاہلی ماحول میں ہوئی کہ انسانیت پستی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نہ تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہلا سکتی ہو اور نہ ہی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو۔ نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حضور ﷺ بارہ ربیع الاول عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ جب ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو سارے ملک میں سیرت النبی اور میلاد النبی ﷺ کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا مبارک تذکرہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر اور کوئی سعادت نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا تاریخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم، اس سے زیادہ پر مسرت، اس سے زیادہ مبارک اور مقدس واقعہ روئے زمین پر نہ کبھی پہلے ہوا ہے اور نہ اس کے بعد کبھی ہوگا۔ انسانیت کو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا نور ملا آپ ﷺ کی مقدس شخصیت کی برکات نصیب ہوئیں۔ قرآن کریم فرقان حمید کی سورہ المائدہ میں رب العزت کا فرمان ہے "لقد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین" یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک تو کھلی کتاب یعنی قرآن مجید آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک نور آیا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم، اگر رسول ﷺ کی تعلیم نہ ہوتی تو کوئی بھی قرآن کو نہ سمجھ سکتا اور نہ ہی اس پر عمل کر سکتا۔ دراصل اس آیت کریم میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضور اقدس

جو تعلیم دے رہے ہیں یہ وہ نور ہے جس کے ذریعے تم کتاب مبین پر صحیح صحیح عمل کر سکو گے۔ نبی رحمت ﷺ تم کو عملی نمونہ پیش کر کے دکھائیں گے کہ دیکھو اللہ کی کتاب پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے تم اس کو دیکھو اور نقل اتارو تمہارا کام بس یہی ہے۔ اگر تم باپ ہو تو دیکھو فاطمہؓ کے باپ ﷺ کیا کرتے تھے۔ اگر تم شوہر ہو تو دیکھو کہ خدیجہ اور عائشہؓ کے شوہر ﷺ کیا کرتے تھے۔ اگر حاکم ہو تو دیکھو مدینہ کے حاکم کس طرح حکومت کرتے تھے۔ مزدور ہو تو دیکھو مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والے مزدور کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے زراعت بھی کی، تجارت بھی کی، سیاست بھی معیشت بھی کی، زندگی کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جس میں حضور ﷺ کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو سال میں ایک بار میلاد منا کر جھنڈیاں لہرا کر جلوس نکال کر ڈیک بجا کر خانہ کعبہ اور روزہ اقدس کی شبیہوں کو گلیوں میں رکھ کر کے عید میلاد النبی ﷺ منایا جا رہا ہے یہ سب دین اور حضور اقدس ﷺ کے نام پر ہو رہا ہے اور بڑے اجر و ثواب کا کام سمجھا جا رہا ہے۔ نبی رحمت کے ساتھ عقیدت اور محبت کا حق ادا کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے اور نہ ہی حضور اقدس ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ نے ایسا کیا ہے۔ اگر اس طریقہ میں کوئی خیر ہوتی کوئی برکت ہوتی تو ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اور علی المرتضی رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ صحابہؓ سے زیادہ عاشق اور محبت کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ صحابہؓ کا تو حال یہ تھا کہ نہ کوئی جلوس نہ جلسہ چراغاں ہے نہ جھنڈیاں، لیکن ایک چیز ہے اور وہ ہے کہ سرکار دو عالم کی سیرت طیبہ زندگی میں رچی بسی ہے۔ ان کا ہر دن سیرت النبی ﷺ کا دن ہے ہر کام سیرت طیبہ کا کام ہے کوئی بھی ایسی چیز نہ تھی جو سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ سے خالی ہو۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کے آنے کا منشا اور مدعا کیا ہے۔ صحابہ کبار ایسے ہی صحابہ نہ بن گئے تھے۔ وہ تو ہر وقت اور ہر گھڑی اس دھیان میں رہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کی اتباع کس طرح ہو وہ آپ ﷺ کی ہر بات پر عمل اور ہر کام غور سے دیکھتے تھے۔ سنتے تھے اور اس پر من و عن عمل بھی کرتے تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے کناروں پر کھڑے تھے۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جس وقت آپ ﷺ حکم فرما رہے تھے اس وقت عبداللہ ابن مسعودؓ باہر راستہ میں تھے اور مسجد کی طرف آرہے تھے جب ان کے کانوں میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا کہ بیٹھ جاؤ تو ان کی کیا مجال تھی کہ ایک قدم بھی آگے بڑھاتے وہیں بیٹھ گئے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ حکم ان کے لیے نہیں تھا۔ حضرت عثمان غنی کو صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملات طے کرنے کے لیے حضور ﷺ نے ایلچی بنا کر کفار مکہ کے پاس بھیجا وہ تشریف لے گئے رات کو اپنے چچا زاد بھائی کے گھر ٹھہرے۔ صبح کے وقت مکہ کے سرداروں کے ساتھ مذاکرات کے لیے جانے لگے تو اس وقت آپ کا پاجامہ یا تہبند ٹخنوں سے اوپر تھا۔ آپؓ کی آدھی پنڈلی نظر آرہی تھی۔ آپؓ کے چچا زاد بھائی نے کہا کہ عربوں کا دستور ہے کہ جس کا تہبند جتنا لٹکا ہوا ہوگا اتنا ہی اس آدمی کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور سردار تو ہمیشہ اپنا تہبند لٹکا کر رکھتے ہیں۔ اس طرح آپ ان کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کی عزت و تکریم نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کی وقعت ہوگی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے بھائی کو کیا خوب جواب دیا۔ آپؓ نے کہا میں اپنا تہبند اس سے نیچے نہیں کر سکتا کیوں کہ میرے آقا ﷺ کا تہبند ایسا ہی ہے، سرداران مکہ مجھے اچھا سمجھیں یا برا، میری عزت کریں یا نہ کریں مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں اپنے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ فاتح ایران نے جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا تو کسریٰ نے آپؓ کو مذاکرات کے لیے اپنے دربار میں طلب کیا تو آپؓ اپنے چند دوسرے ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ایرانیوں کا دستور تھا کہ وہ آنے والے مہمانوں کی تواضع کے طور پر پہلے ان کو کھانا کھلاتے تھے۔ کھانے کے دوران حضرت حذیفہ بن یمان کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا۔ آپؓ نے نوالہ اٹھانے کے لیے ہاتھ نیچے کیا تو ساتھی نے کہنی مار کر اشارہ کیا کہ تم اس وقت دنیا کی سپر پاور کسریٰ کے دربار میں ہو، نوالہ اٹھانے کا موقع نہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے بھی کیا جواب دیا۔ آپؓ نے جواب دیا مجھے ان احمقوں کی پرواہ نہیں مجھے تو اپنے نبی ﷺ کی سنتوں کی فکر ہے، میرے نبی ﷺ گرے ہوئے نوالہ کو اُٹھا لیتے تھے، میں بھی ایسا ہی کروں گا۔ اب بتایئے کہ

ان لوگوں نے عزتیں کرائیں یا وہ لوگ جو نبی ﷺ کی سنتوں کو چھوڑ کر، کروا رہے ہیں۔ان لوگوں نے ایک طرف نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے بڑے بڑوں کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ پھر ان کا نام بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے ان نفوس قدسیوں نے حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے دنیا بھر میں اپنا لوہا منوایا اور آج ہم ہیں کہ اس خوف سے دبے پڑے ہیں کہ ہم نے اگر کسی سنت پر عمل کیا تو دنیا ہمارا مذاق اڑائے گی۔اسی لیے تو آج دنیا بھر کے مسلمان جن کی آبادی دنیا کی آبادی کے ایک تہائی ہے ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم وستم کر رہا ہے کشمیر کے مسلمانوں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ نسل کشی بھی ہو رہی ہے۔لیکن ہر طرف خاموشی ہے، سناٹا ہے کوئی بھی مسلمان ملک ان کی داد رسی کے لیے آگے نہیں آتا ، کیوں کہ ہم نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی سنتیں چھوڑ دی ہیں رب العزت نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔بس ہم میلاد کے موقع پر سال میں ایک دفعہ جلوس نکال کر خوش ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ کے ساتھ محبت ہے، عقیدت ہے، خلوص ہے، پیار ہے۔ اس لیے اللہ ہمیں معاف کر دے گا لیکن اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے سن رہا ہے اور اس کے فرشتے ہمارے اعمال کی ویڈیو بنا رہے ہیں۔کل قیامت کے روز یہ ویڈیو چلے گی تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ہمارے اپنے ہاتھ پاؤں ہمارے خلاف گواہیاں دیں گے اور کوئی چیز چھپ نہ سکے گی اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے

ترجمہ: اے میرے پیارے رسول ﷺ کہہ دیجیے، اعلان عام کر دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، میری نقل اتارو، میری سنتوں پر چلو، پھر اللہ تم سے محبت کرے گا (العمران) صرف عید میلاد منا کر نعرے لگا کر اللہ کی محبت حاصل نہیں ہوتی۔اے مسلمانو تمھیں میلاد منانے سے کون روکتا ہے، خوب خوشیاں مناؤ نعرے لگاؤ لیکن یہ خیال بھی رکھو کہ جو اصلی چیز ہے وہ تو نبی ﷺ کی سنت ہے، نبی ﷺ کا اتباع ہے، پہلے اس کو تو پورا کرو۔جب تک رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں سر نہ رکھو گے اس وقت تک دنیا میں تمھیں عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔چودہ

سو سالہ تاریخ اٹھا کر دیکھو جب تک مسلمانوں نے نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کیا تو عزت بھی پائی، شوکت بھی حاصل کی، اقتدار بھی ملا لیکن جب سے سنتیں چھوڑیں، اخلاق چھوڑے، کردار چھوڑا یہاں تک کہ اپنی صورتیں بھی بدل ڈالیں پھر ہر طرف سے مسلمانوں پر یلغار شروع ہوگئی۔ ذلت و رسوائی نے گھیرے ڈال دیے۔ جب تک نبی رحمت ﷺ کی پوری زندگی اپنے اندر سمو نہ لو گے تب تک ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرتے رہو گے۔ اللہ کی خوشنودی اور محبوبیت حاصل کرنے کے لیے نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا ہوگا۔ جب بھی کوئی کام کرو تو دیکھ لو کہ یہ کام نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ہے کہ نہیں اگر ہے تو کر ڈالو ورنہ چھوڑ دو۔ پھر دیکھو کہ ان سنتوں کا کیسا نور حاصل ہوتا ہے پھر ہر دن سیرت النبی ﷺ کا دن ہوگا اور ہر لمحہ عید میلاد النبی ﷺ کا لمحہ ہوگا۔

اس سال بارہ ربیع الاول پاکستان میں سرکاری سطح پر انٹرنیشنل سیرت النبی ﷺ کے نام سے اسلام آباد میں منایا گیا۔ اس میں باہر کے ملکوں کے علما بھی مدعو تھے جنھوں نے اپنی تقاریر اور مکالموں میں نبی رحمت ﷺ کی سیرت پر روشنی ڈالی۔ یہ ایک اچھی مثال تھی اگر حکومت پاکستان ملک کے اندر بھی کسی مخصوص جگہ میں عید میلاد النبی کے موقع پر ہر ایسے پروگرام کرانے کا بندوبست کر لے تو کیا خوب ہو۔

دعا ہے کہ رب العزت ہم مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ نبی رحمت ﷺ کی ہر ہر سنت اپنانے اور صحابہ کی طرح عمل کرنے کی توفیق اور جذبہ عطا فرمائے آمین

خیر و شر

(عبدالرشید ساہی)

پہلی چیز انسان کے اندر خیر وشر کا شعور ہے۔ یہ اسی شعور کا نتیجہ ہے کہ اس کے ضمیر میں ایک نگران ہر وقت اس کی برائیوں پر اسے متنبہ کرتا رہتا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی عدالت ہے جو انسان کے اندر قائم ہے اور ہر موقع پر اپنا بے لاگ فیصلہ سناتی ہے انسان اس فیصلہ کو مانے یا نہ مانے وہ فکر و خیال اور علم وعمل کی ہر لغزش کے بعد اسے سنتا ضرور ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بدنفسی اتنی بڑھ جائے کہ اعمال کی سیاہی اس کے دل کا احاطہ کرکے اس کو بالکل اندھا بہرا کردے۔ یہ انسان کے اندر خود اس کے باطن کی گواہی ہے جسے نفس لوامہ کی شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان صرف خاک کا پتلا نہیں بلکہ انسان کو اللہ نے اپنی صورت پر بنایا ہے، اشرف المخلوقات ہے، احسن تقویم ہے۔علامہ فرماتے ہیں۔

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو فروغ دیدہ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں وفرشتہ وحور کہ شاہین شہہ لولاک ہے تو

قرآن مجید انسان کو بتاتا ہے کہ تم کوئی شتر بے مہار نہیں ہو کہ جو چاہے کرتے رہو، تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوسکتی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح یہ قیامت صغریٰ خود تمہارے اندر برپا ہے اسی طرح پوری کائنات کے لیے بھی ایک قیامت لازماً برپا ہوگی جس دن تمہیں اپنے ربّ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا پڑے گا جو کچھ تم نے کیا ہوگا۔ اس کے لحاظ سے تمہارے لیے جزا وسزا کا فیصلہ ہوگا۔ کرنی کی بھرنی ہوگی، جو بوئے گا سو کاٹے گا۔ علامہؒ فرماتے ہیں:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

انسانی فطرت میں یہ شامل ہے کہ وہ عدل چاہتا ہے اور ظلم سے نفرت کرتا ہے اس میں شبہ نہیں کہ اس کے باوجود وہ ظلم کرتا ہے، یہ نہیں کہ اس کے ظلم میں محبت ہے۔ بلکہ وہ جذبات و خواہشات سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔ مگر کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کوئی ظلم کرے۔ انسان دوسروں کے گھروں میں نقب لگاتا ہے مگر یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کے گھر کے اندر نقب لگائے۔ نہ وہ یہ گوارا کرتا ہے کہ نیک و بد کو یکساں سمجھا جائے اور دونوں سے ایک ہی معاملہ کیا جائے۔ قرآن مجید یہ حقائق سامنے رکھتا ہے اور منکرین قیامت سے پوچھتا ہے! کیا ہم فرماں برداروں اور مجرموں کو برابر کر دیں گے؟

انسان اور کائنات دونوں کی ناتمامی ہے بارہا قرآن مجید میں ربِّ کبریا نے جہاں کی بے ثباتی کا تذکرہ فرمایا ہے جیسے سورۃ الرحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہر چیز فنا ہو جائے گی دوام صرف میری ذات کو ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی"۔ صفات الٰہی کے آثار کائنات کے ذرّے ذرّے میں نمایاں ہیں۔ ربوبیت اور رحمت کی خصوصیات ان میں بالخصوص قابل توجہ ہیں عالم کے پروردگار کی طرف سے انسان کی پرورش کا جو غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسے دیکھنے کے بعد کوئی عاقل کس طرح باور کر سکتا ہے کہ اس کا خالق اسے غیر مسئول چھوڑ دے گا۔ اور جن لوگوں نے دنیا کو ظلم و عدوان کا گڑھ بنا دیا ہے، ان کو کوئی سزا نہ دے گا؟ قیامت اللہ تعالیٰ کی رحمت ربوبیت اور قدرت و حکمت کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو غیر معمولی معجزات دے کر بھیجا کہ وہ بھولے بھٹکے انسانوں کو میری طرف رجوع کرائیں، جنھوں نے ان ہستیوں کی اتباع کی وہ کامیاب قرار پائے اور دوسرے ناکام اور رذیل ہوئے اور ان پر خدا کا عذاب آیا۔ کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے وہی خدا ہے جو جزا اور سزا

کا تصور آج کل انسانوں کو ذہن نشین کروایا جا رہا ہے یہ اسلامی نہیں بلکہ خود ساختہ ہے میرے ایک دوست نے سوال کیا کہ نبی رحمت ﷺ کی پیدائش کی خوشی میں چراغاں کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز، میں نے عرض کی بھائی میرے! پہلے ہمیں اسلام کو اپنے قلوب کے اندر داخل کرنا ہے قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور نبی رحمت ﷺ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے ماڈل بنا کر بھیجا اب آپ خود اندازہ فرمائیں کہ ہم کہاں تک اتباع رسول ﷺ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ نماز کا کوئی اہتمام نہیں اخلاقیات کا کوئی پاس نہیں۔ پہلے ایمان کی تکمیل اور پھر دوسرے کام، چراغاں کریں لیکن پہلے نبی رحمت کی پیروی بھی تو کریں علامہؒ فرماتے ہیں:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

قرآن کے علم کو دل کی دھڑکن بنانا نہیں، اتباع رسول ﷺ میں آنا نہیں، تو صرف چراغاں کرنے اور جھنڈیاں لگانے سے مغفرت نہیں ہوگی۔ یہ عقیدہ باطل ہے گمراہ کن ہے اور مسلمانوں کو بے راہ کرنے کی سازش ہے علامہ فرماتے ہیں:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

دلبر دے گھر بے پرواہی کرے غریب نوازی
جس پر پاوے نظر محمد جت جاوے او بازی

ضابطہ حیات

(سائرہ گل)

اس وقت کرۂ ارض پر مسلم ممالک کی تعداد 57 ہے۔ کرۂ ارض کا وسیع و عریض رقبہ مسلمانوں کے زیر تسلط ہے۔ بلا شبہ دنیا کے زرخیز علاقے مسلمانوں کے پاس ہیں اور دوسری طرف اسلام کا مکمل ضابطہ حیات ان کا لائحہ عمل ہے۔ اور یہ بات بھی سچ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں لیکن اسلام پر عمل کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں پھر کیا وجوہات ہیں کہ مسلمان ترقی کی راہ میں باقی اقوام سے پیچھے ہیں۔ ماضی میں یہ تو اقوام عالم کے امام تھے پھر کیا ہوا کہ مجرموں کی فہرست میں شامل کر دیے گئے۔

پہلا سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ کیا دہشت گردی ہماری پسماندگی کا سبب ہے؟ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اگر ہم بغور جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ دہشت گردی مسلمانوں کی ترقی میں رکاوٹ نہیں یہ تو صرف مسلمانوں کے خلاف ایک سازش ہے۔ جو غیر مسلم اقوام ان کے خلاف کر رہی ہیں اور انہوں نے چند لوگوں کو اپنا آلہ کار بنایا ہوا ہے۔

درحقیقت اصل وجوہات تو مسلمانوں نے خود پیدا کی ہیں۔ ان کی کمزور معیشت اور ناقص خاندانی نظام اس کی بنیادی وجوہات ہیں۔ معیشت کسی بھی قوم کی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ معاشی استحکام کے بغیر ترقی کرنا ناممکن ہے۔ اگر ہم دنیا کی معیشت کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں معاشی طور پر مستحکم یہودی قوم ہے۔ دنیا کی معیشت پر ان کا غلبہ ہے۔ ان کے کاروبار فیکٹریاں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر چہ اس کرۂ ارض پر یہودیوں کی کوئی قانونی ریاست موجود نہیں تو پھر وہ معاشی طور پر اتنے مستحکم کیسے ہیں !!!

ان کے پاس مسلمانوں کی طرح وسیع رقبہ اور وسائل بھی نہیں ۔ دراصل انھوں نے اسلام کے معاشی نظام کی بہت سی باتوں کو اپنایا ہے ۔یہودی آپس میں سودی لین دین حرام سمجھتے ہیں اگر چہ وہ باقی اقوام کو سود پر قرض دیتے ہیں ۔ یہودی ملازمت کی بجائے کاروبار کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہودی اپنی خواتین سے نوکری کروانا پسند نہیں کرتے ۔ماسوائے ان شعبوں کے جو خواتین کے بغیر چل نہیں سکتے ۔ یہودیوں کے کارٹون نیٹ ورک پوری دنیا میں مشہور ہیں لیکن وہ اپنے بچوں کو کارٹون دکھانے کی بجائے گھڑسواری اور نیزہ بازی کی تعلیم دیتے ہیں ۔

یہودیوں کا تعلیمی نظام کلرک پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ جلد از جلد اپنے بچے کو عملی اور پیشہ وارانہ زندگی کی طرف لے کر آتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک گورنر نے یہودی کو ماہر معاشیات منتخب کیا۔ تو خلیفہ عمر فاروقؓ نے سوال کیا کوئی مسلمان ماہر معاشیات نہیں ملا ۔گورنر نے جواب دیا اے خلیفہ یہ بہت قابل ماہر معاشیات ہے ۔آپؓ نے فرمایا کہ اگر یہ مر گیا تو کیا کرو گے! تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی مسلمان ماہر معاشیات ڈھونڈ وں گا ۔آپؓ نے فرمایا تو فرض کرلو کہ یہ مر گیا ہے۔

اس بات سے تو کوئی ناواقف نہیں کہ خلیفہ عمر فاروقؓ کا زمانہ اسلام کا سنہری دور تھا۔ تو افسوس کہ مسلمان ان سنہری روایات کو کیوں بھول گئے؟ آج مسلمان مسلمان کو ملازمت دینے کی بجائے غیر مسلم پر اعتماد اور اعتبار کرتا ہے ۔مشرق وسطٰی کے حالات ہمارے سامنے ہیں جہاں مسلمانوں کی بجائے ہندوؤں اور غیر مسلموں کو ترجیحی بنیادوں پر ملازمتیں دی جاتی ہے ۔ ہمارے گھروں میں درآمدی اشیاء کی بھر مار ہے۔گھریلو اشیاء خریدتے وقت ہم غیر ملکی کمپنیوں کو ترجیح دیتے ہیں ۔یہی تو وہ عوامل ہیں کہ مسلمان قرض دار ہیں۔اور سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم قرض دار بھی ہو اور اقوام عالم میں عزت دار بھی ہو؟؟؟

روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ ساری ساری رات ربّ کے حضور سجدہ ریز ہو کر دُعا فرماتے تھے:

ترجمہ: ''اے اللہ اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطاء فرما''۔

تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ معاشی ترقی کے بغیر عزت ممکن نہیں۔ہم اپنی محنت کی کمائی گئی آمدنی کا بڑا حصہ درآمدی اشیا کی خریداری پر خرچ کرتے ہیں۔پیسہ بہت آسانی اور ہماری مرضی سے غیر مسلموں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔بحیثیت پاکستانی قوم ہم نے معاشی غلامی کو بخوشی گلے لگایا ہوا ہے۔پہلے تو انگریز ہماری حفاظت کرتے تھے اور اس کے بدلے ہماری خدمات لیتے تھے لیکن اب ہم اپنی حفاظت بھی خود کرتے ہیں اور درآمدی اشیا خرید کر اپنی کمائی ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کا خاندانی نظام بھی کچھ نقائص کا شکار ہے۔خاندانی نظام کو چلانے میں عورت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔مسلمان خواتین کی اکثریت اعلیٰ دنیاوی تعلیم سے محروم ہے۔جو خواتین اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہیں وہ ملازمت پیشہ ہیں۔ان کی تعلیم سے دنیا تو فائدہ اٹھا رہی ہے لیکن شاید ان کا اپنا خاندان ان کی قابلیت سے فائدہ نہیں اٹھا رہا۔بچوں کی تعلیم وتربیت اور صحت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔صرف وقتی پوزیشن اور نمبروں کی دوڑ نے بچوں کی صحت خراب کر دی ہے۔ ایک عربی کتاب سے ماخوذ ہے کہ سلف صالحین کے زمانے میں مائیں بچوں کو دودھ پلانے سے پہلے بسم اللہ پڑھتی تھیں اور نیت یہ کرتی تھیں کہ ان کا بچہ بڑا ہو کر مجاہد، دین کا داعی، اور صالح بنے۔ اسی لیے عظیم شخصیات پیدا ہوئیں۔لیکن آج کل کی مائیں بچوں کو اس نیت سے دودھ پلاتی ہیں کہ بچہ سو جائے۔اسی لیے پوری اُمت سو رہی ہے۔

خشوع والی نماز

(مولانا وحید الدین خان)

نماز دین کا بنیادی ستون ہے، اس کے بغیر کسی کا ایمان ہی معتبر نہیں۔ وہ آدمی کے لئے نجات کا ذریعہ ہے۔ (الحدیث) مگر یہ فائدہ صرف اس نماز سے حاصل ہوتا ہے جو صلوٰۃِ خشوع ہو، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المومنون: ۲)

ترجمہ: ''کامیاب ہوئے ایمان لانے والے، وہ جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔''

صلوٰۃِ خشوع سے مراد وہ نماز ہے جو اس طرح پڑھی جائے کہ آدمی اس کا نگراں اور محافظ بن گیا ہو:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰةِ (البقرہ: ۲۳۸) ''اپنی نمازوں کی حفاظت کرو۔''

یہاں حفاظت سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی روزانہ زندگی کو ہر اس چیز سے بچائے جو اس کی نماز میں خلل ڈالنے والی ہو، جس سے وہ اپنی نمازوں کو ٹھیک ٹھیک ادا نہ کر سکے، اس میں وقت کا اہتمام خاص طور پر داخل ہے۔ محافظتِ صلوٰۃ، اپنے مفہوم کے لحاظ سے، محافظت اوقات کا دوسرا نام ہے۔ نماز اہل ایمان کیلئے ''کتاب موقوت'' ہے۔ جس کو متعین لمحات میں رکوع کرنے والوں کے ساتھ با جماعت ادا کرنا ہے۔ اس لئے آدمی کو ہر اس عادت یا ہر مشغولیت سے اپنی زندگی کو بچانا اور پاک کرنا ہے جو اس کو وقت پر نماز با جماعت کی ادائیگی سے محروم کردے، یا تکبیر تحریمہ کے وقت وہ مسجد کی صف میں کھڑا ہوا نظر نہ آئے۔

ٹھیک وقت پر نماز کیلئے حاضر ہونا محض فوجی ڈسپلن قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ وہ دراصل بندے کی طرف سے اس بات کا مظاہرہ ہے کہ وہ آقا کی پکار پر فوراً دوڑ پڑنے کیلئے تیار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کے گھر سے ''آؤ نماز کی طرف'' کی آوازیں بلند ہوتی ہیں تو

اللہ کا بندہ ہر دوسری مشغولیت سے اپنے آپ کو فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کی پکار کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔ یہ انتہائی آمادگی اور انتہائی تعلق کا ثبوت ہے۔ وقت آتے ہی نماز کیلئے دوڑ پڑنا اس بات کا اظہار ہے کہ آدمی نے اپنی زندگی میں اوّلین مقام صرف اللہ تعالیٰ کو دے رکھا ہے۔ مگر جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ گویا اس بات کا مظاہرہ کرتا ہے کہ خدا کے سوا دوسری چیزوں کو بھی وہ اپنی عبادت میں شریک کیے ہوئے ہے۔ وہ یا تو بے حسی کا شکار ہے یا کسی دوسری مشغولیت کو اس نے اپنی زندگی میں وہ مقام دے رکھا ہے جو دراصل خدا کا ہونا چاہیے۔

مسجدوں کی صف بندی دراصل خدا کے دربار میں کھڑے ہونے کا وقت ہے۔ جو اس اہم ترین وقت پر خدا کے گھر میں نظر نہ آئے یا دیر سے پہنچے وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کو خدا کی پکار سے زیادہ اپنے نفس کی پکار عزیز ہے، عین اس وقت بھی وہ اپنے آپ کو دوسرے مشاغل میں مصروف رکھتا ہے، جب خدا کے بندے اللہ کے حضور کھڑے ہو رہے ہوتے ہیں، ایسے آدمی کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے۔

ایک امام کا واقعہ ہے: ان کی مسجد کے نمازی عموماً دیر کر کے نماز کیلئے آتے تھے، ایک روز نماز شروع ہوئی تو حسب معمول پیچھے چند آدمی موجود تھے اور جب امام نے سلام پھیرا تو پوری صف کھڑی ہوئی نظر آئی۔ یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔ کاش! اللہ تعالیٰ مجھے متقیوں کا امام بنائے۔" ایسے لوگوں کی امامت نے تو مجھے بیمار بنا دیا، جن کا حال یہ ہے کہ جب نماز شروع ہو چکی ہوتی ہے یا اس کا ایک حصہ گزر جاتا ہے تو وہ بھاگم بھاگ آتے ہیں اور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ نماز نہیں ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مطلوب ہے۔ یہ کسل کے ساتھ اللہ کی عبادت کیلئے اُٹھنا ہے، جس کو ذکر قلیل کہا گیا ہے۔ جس پر قرآن میں سخت وعید آئی ہے۔

خاص طور پر صبح کی نماز جو صلوٰۃ "مشہود"۔ (بنی اسرائیل:۷۸) اس میں جو شخص وقت پر نہیں پہنچتا یا اس سے غیر حاضر رہتا ہے، وہ یا تو اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈال رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا لباس اس سے اُتار لیا جائے اور شیطان کے مقابلے میں اس کے پاس کوئی پناہ نہ رہے۔

نمازِ فجر دوسری نمازوں کا مقدمہ ہے، ہر روز جب صبح کی سفیدی سورج کے آنے کی خبر دیتی ہے تو دو طرح کے مواقع انسان کیلئے کھلتے ہیں، ایک دنیا کا کام، دوسرا آخرت کا کام۔ عین اس وقت مؤذن بلند مقام پر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے:

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ "آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف۔"

یہ پکار انسان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ دن کی سرگرمیوں کو شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے گھر میں آئے اور فجر کی نماز ادا کر کے اپنے اس ارادے کا اظہار کرے کہ وہ آنے والے لمحات کو آخرت کی کامیابی حاصل کرنے میں لگا دے گا، وہ آنے والے دن کو اللہ کی عبادت میں بسر کرے گا۔ عین اس وقت ایک اور پکارنے والا پکارتا ہے، یہ انسان کا دشمن شیطان ہے جو ایک ایک شخص کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ وہ اپنے دن کو صرف دنیا حاصل کرنے میں لگائے۔

پہلی پکار دیواروں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے، ہزاروں کی آبادی میں صرف چند ایسے لوگ مسجد کیلئے نکلتے ہیں جو بوڑھے ہوں یا کسی اور کام کے قابل نہیں رہے۔ مگر دوسری پکار کو سن کر ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، کسان اپنے کھیتوں کی طرف چل پڑتے ہیں، تاجر کنجیوں کے بڑے بڑے گچھے لے کر اپنی دکانوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ملازم اپنے دفتروں کی تیاری شروع کر دیتے ہیں اور بہت سے لوگ جنہیں صرف آرام عزیز ہے وہ اس سہانے وقت میں اپنے نرم بستروں سے لپٹ جانے کو موزوں ترین خیال کرتے ہیں۔

غافل انسان اس وقت بھی محروم رہتا ہے جب کہ پانے کے امکانات سب سے زیادہ ہوں۔ ایک دروازہ جو ہر روز انسان کیلئے کھلتا ہے مگر نادان انسان ہر روز اسے اپنے اُوپر بند کر لیتا ہے۔

صلوٰۃِ خشوع کی دوسری پہچان یہ ہے کہ نماز میں آدمی کا جھکنا اس کی پوری زندگی میں اسی قسم کے جھکاؤ کا عنوان بن جاتا ہے۔ اس کا رکوع اور سجدہ دراصل اس بات کا ایک عملی اقرار ہے کہ اس نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے آگے ڈال دی ہے، وہ مکمل طور پر اللہ کے حکم کا پابند بن چکا ہے۔ نماز محض رسمی قسم کی پوجا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے وجود اور تمام اثاثے کو اللہ کے آگے

ڈال دینے کا نام ہے، بندہ اللہ کے حضور جھک کر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ "میرے آقا! مجھے حکم دے، میں تیرے حکم کی تعمیل کروں گا۔" اس اقرار کے باوجود اگر کسی کو دیکھیں کہ اس کی مسجد کی نماز اس کی پوری زندگی کی نماز نہیں بنی تو وہ ابھی تک صلوٰۃ خشوع سے محروم ہے۔ قرآن کے مطابق جس نماز کے ساتھ "اتباعِ شہوات" پایا جا رہا ہو، وہ ایسی نماز ہے، جس سے روحِ صلوٰۃ ضائع ہو چکی ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کی نمازیں بہت اچھی نہ سہی تاہم وہ نماز تو پڑھ لیتے ہیں اور یہ بھی بہر حال فرض کی ادائیگی کیلئے کافی ہے۔ مگر یہ صرف شیطان کا دھوکہ ہے۔ یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کو جو چیز مطلوب ہے وہ ذکرِ قلیل نہیں بلکہ ذکرِ کثیر ہے۔ ذکرِ قلیل کو تو منافقوں کی پہچان بتایا گیا ہے۔ صلوٰۃ خشوع کی تیسری پہچان یہ ہے کہ بندہ جب نماز میں مشغول ہو تو وہ اپنے آپ کو خدا سے بالکل قریب محسوس کرے۔ نمازی ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ان دیکھی حقیقت کو کامل یقین کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔ سجدہ جو نماز کی انتہائی حالت ہے، وہ بیک وقت اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی بھی انتہائی حالت ہے۔ نماز کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ انتظام کیا ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کی معیت اور قربت حاصل کر سکیں۔ نماز کے ذریعہ آدمی روحانی طور اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے۔ وہ یادِ الٰہی کی ایسی حالت اپنے اوپر طاری کرتا ہے جب کہ وہ مکمل طور پر ایک حساتی وجود بن جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے اپنے آپ کو خدا کے اندر گم کر دیتا ہے۔

سچائی کو اپنائیے، جھوٹ سے اجتناب کیجیے

(ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی)

سچائی ایسی صفت ہے جس کی اہمیت ہر مذہب اور ہر دور میں یکساں طور پر تسلیم کی گئی ہے۔اس کے بغیر انسانیت مکمل نہیں ہوتی۔اسی لیے شریعت اسلامیہ میں اس کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے،اور ہر حال میں سچ بولنے کی تاکید کی گئی ہے۔محسن انسانیت نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ سچ بولنے کی تعلیم دی اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا۔آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کو نبی اور رسول نہ ماننے والوں نے بھی آپ ﷺ کی سچائی اور امانت داری سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کو صادق اور امین جیسے القاب سے نوازا تھا۔

تمام انبیاء کرام نے بھی ہمیشہ سچ بولنے کی تاکید فرمائی۔حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمان الٰہی ہے "اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے" (سورۃ مریم)

حضرت یوسفؑ کے بارے میں قرآن کریم (سورۃ یوسف) میں ہے "(اصل قصہ یہ ہے کہ) میں (زلیخا) نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور وہ (حضرت یوسف) بے شک سچا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بھی پوری انسانیت کو متعدد مرتبہ سچ بولنے کی تعلیم دی ہے رب کائنات کا ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو"۔(سورۃ التوبۃ)

فرمان الٰہی ہے:

(اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ) "آج وہ دن ہے کہ سچ بولنے والوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی"۔(سورۃ المائدہ)

اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو راہ نہیں دکھاتے جو اسراف کرنے والے ہیں اور جھوٹے ہیں‘‘۔

(سورۃ المومن)

چونکہ جھوٹ کے نتائج سخت مہلک اور خطرناک ہیں، اور جھوٹ بولنے والے کے ساتھ دوسرے بھی اس کے شر سے محفوظ نہیں رہتے، اسی لیے آپ ﷺ نے جھوٹ بولنے والوں کے لیے سخت وعیدیں بیان فرمائیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سچائی کو لازم پکڑو کیوں کہ سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی یکساں طور پر سچ کہتا ہے اور سچائی کی کوشش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی نظر میں اس کا نام سچوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچتے رہو اس لیے کہ جھوٹ گناہ اور فجور ہے اور فجور دوزخ کی راہ بتاتا ہے اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا ہے اور اسی کی جستجو میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا شمار جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

سچ بولنے کی کیسی عظیم اہمیت ہے کہ انسان اپنی سچائی کے ذریعے جنت میں داخل ہو سکتا ہے، جو ہر انسان کی خواہش ہے۔ جب کہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے انسان کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا، اگر موت سے قبل حقیقی توبہ نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ دوزخ سے بچ جائے۔ قیامت تک آنے والے انس و جن کے نبی اکرم ﷺ نے جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کے لیے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کو بجا لاکر سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلیں۔

حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’فروخت کرنے والے اور خریدار کو اختیار ہے جب تک وہ مجلس سے جدا نہ ہوں۔ اگر دونوں نے حقیقت کو نہ چھپایا اور سچ بولا تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ڈال دی جائے گی اور اگر حقیقت کو چھپایا اور جھوٹ بولا تو سودے کی برکت ختم کردی جائے گی۔‘‘ (بخاری و مسلم)

ان دنوں ہم نے تجارت کو خالص دنیا داری کا کام سمجھ لیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ جھوٹ اور

دھوکا دہی کے بغیر اب تجارت کام یاب نہیں ہوسکتی۔ حالاں کہ اگر تجارت اللہ کے خوف کے ساتھ کی جائے اور کسی کو دھوکا دینے کی غرض سے نہیں، بل کہ سچائی اور امانت داری کو اپنا معمول بنا کر کی جائے اور نا جائز کاموں سے پرہیز کیا جائے تو یہی تجارت عبادت بنے گی اور حلال تجارت کے ذریعے حاصل شدہ رقم کو اپنے اور گھر والوں پر خرچ کرنے پر اجرِ عظیم ملے گا اور اس کی وجہ سے ہمیں آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہوگی

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو تاجر سچا اور امانت دار ہو وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''

یہ حدیث مختلف کتب حدیث میں موجود ہے، اس کی سند پر بعض علماء نے کلام کیا ہے، لیکن یہ حدیث اچھے معنی اور مفہوم اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ لہٰذا ہمیں کاروبار میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو مجلس سے جدا ہونے سے قبل اپنے فیصلے سے رجوع کرنے یعنی خرید وفروخت کو منسوخ کرنے کا حق ہے۔ لیکن مجلس سے جدا ہونے کے بعد خرید وفروخت مکمل ہو جاتی ہے، اب بیچنے والے کو یہ اختیار نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں اس چیز کو نہیں بیچنا چاہتا یا خریدار کہے کہ میں اس چیز کو خریدنا نہیں چاہتا۔ ہاں دونوں اپنی رضا مندی سے اس معاہدے کو ختم کر سکتے ہیں۔ اگر بیچنے والا چیز کے قبل اس کے عیوب کو چھپا کر کوئی چیز فروخت کرے یا خریدنے والا دھوکا دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو خرید وفروخت میں کیسے برکت ہوسکتی ہے؟

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم خرید وفروخت میں بھی جھوٹ کا سہارا نہ لیں بل کہ ہمیشہ سچ ہی بولیں۔ ہمارے اسلاف نے ہمیشہ سچ بول کر تجارت کی، اس لیے ہر میدان میں کام یاب ہوئے۔ مکہ مکرمہ کی مشہور تاجر حضرت خدیجہؓ نے سب سے افضل بشر حضور اکرم ﷺ کی تجارت میں دیانت داری کو دیکھ کر ہی تو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔

حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کی یہ باتیں یاد ہیں، ''جو بات شک میں مبتلا کرے اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کر جو شک میں نہ ڈالے۔ سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔

جس چیز کے حلال ہونے میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ صرف سچ ہی بولنا چاہیے۔ اس لیے کہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے متعدد جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ سچ بولنے پر بہترین بدلہ ملنے کے متعدد واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔ غزوہ تبوک میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل نہ ہونے والے تین حضرات حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت بلال بن امیہؓ جب آپ ﷺ نے ان سے غیر حاضری کے متعلق سوال فرمایا تو انہوں نے جھوٹ سے گریز کرتے ہوئے تمام صورت حال سچ سچ عرض کر دی، اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ عنایت فرمائی کہ ان کی توبہ قبول فرمالی۔ اور آپ ﷺ نے حضرت کعب کو اس عظیم نعمت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ''تمہیں اس دن کی خوش خبری جو کہ تمہاری والدہ کے جنم دینے کے دن سے لے کر آج تک کے تمام دنوں سے تمہارے لیے بہترین ہے۔ لیکن جن لوگوں نے آپ ﷺ کے سامنے جھوٹ بولا: اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق سورہ التوبہ میں وہ آیات نازل فرمائیں جو پانچ دنیوی واخروی سزاؤں سے متعلق ہیں۔

پہلی: ان کے ساتھ قطع تعلق اور اعراض کرنے کا حکم۔

دوسری: ان پر ناپاک ہونے کا حکم بلاشبہ وہ ناپاک ہیں۔

تیسری: ان کا ٹھکانا جہنم ہونا، ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ علامہ قرطبی ان کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں یعنی ان کی منزل اور جگہ جہنم ہے۔

چوتھی: اللہ تعالیٰ کا ان سے راضی نہ ہونا: سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو یقیناً اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتے۔

پانچویں :ان کو فاسق قرار دیا

حضرت کعب بن مالکؓ نے سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی نوازشات کا تقابل جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی ناراضی سے کرتے ہوئے بیان فرمایا: "اللہ کی قسم اللہ کی توفیق سے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد میری نظر میں آپ ﷺ کے روبرو اس سچ بولنے سے بڑھ کر مجھ پر کوئی احسان نہیں ہوا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا اور ایسے ہلاک نہیں ہوا جیسا کہ جھوٹ بولنے والے ہلاک ہو گئے تھے۔ بذریعہ وحی اس قدر شدید وعید فرمائی کہ اتنی سخت کسی دوسرے کے لیے نہیں فرمائی گئی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ اس میں سچ کا فائدہ ہے اور جھوٹ کے انجام نحوست کی وضاحت ہے ۔ سچ بولنے پر تینوں حضرات کو اللہ کی جانب سے توبہ کی توفیق ملی اور وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوئے ۔ جب کہ دیگر منافقین نے جھوٹ کا سہارا لیا ، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وحی کے ذریعے ان کے جھوٹے ہونے کے متعلق اطلاع فرمادی تھی، اس لیے ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے، اگر ہم نے کبھی جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ سے پہلی فرصت میں معافی مانگیں کیونکہ کبیرہ گناہ ہونے کی وجہ سے اس کے لیے مستقل توبہ ضروری ہے ۔ جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے معاشرے میں بڑے نقصانات ہیں۔

اے اللہ ہمیں سچ بولنے کی توفیق عطا فرما اور اس کے ثمرات سے مالا مال فرما، جھوٹ اور اس کے زہریلے اثرات سے ہمیشہ کے لیے ہمیں محفوظ فرما۔ آمین ثم آمین

ارکان اسلام

(عبدالجبار، مترجم انتظار حسین)

شہادت اسلام کا ایک بہت منفرد قسم کا مقدس کلمہ ہے ۔ یہ کلمہ وحدت خداوندی اور رسالت محمدی ﷺ کا دوٹوک اظہار ہے۔اسی کے ساتھ وہ ایک کلمہ عبادت بھی ہے جو مسلمان کی روح کے لئے سامان رحمت ثابت ہوتا ہے ۔دونوں گواہیاں لازم وملزوم ہیں ۔ایک گواہی کے انکار سے دوسری گواہی کا انکار لازم آئے گا۔سو جس طرح قرآن اور سنت ایک دوسرے کا تکملہ ہیں،اسی طرح یہ دونوں گواہیاں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔شہادت کو شریعت اور طریقت دونوں جگہ انتہائی بنیادی حیثیت حاصل ہے ۔سنت رسول ﷺ نے چند مختصر قسم کے فرائض بتائے ہیں کہ اگر انہیں ایمانداری سے اور صالح نیت کے ساتھ بجا لایا جائے تو نجات کا سامان ہو جاتا ہے ۔ان فرائض کو بیان کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ مذہب کے ان بنیادی اصولوں کو سمجھا جائے ، جو انفاس دین کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی ایمان ، اسلام (رضائے الٰہی کے سامنے سرخم کرنا)، اور احسان (اخلاقیات)۔یہ اصول بالترتیب عقائد، دینی فرائض اور ضابطہ اخلاق کے مترادف ہیں اور یہ وہ باتیں ہیں جن کی اسلام کے ساتھ تخصیص نہیں،سبھی مذاہب میں ان کا چلن ہے ۔یہ ایسے اصول ہیں جن کا اطلاق بیک وقت مذہب پر بھی ہوتا ہے اور اس مذہب کے ماننے والے افراد اور گروہ پر بھی ہوتا ہے ۔ ہر مذہب خدا اور دوسری ماورائی حقیقتوں کے بارے میں کچھ تعلیمات اپنے دامن میں رکھتا ہے ۔ہر مذہب نے کچھ عبادات بتائی ہیں جو باعث برکت سمجھی جاتی ہیں اور ہر مذہب کے اپنے کچھ اخلاقی ضابطے ہوتے ہیں جو عمومی طور پر فرد اور معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ایمان، اسلام اور احسان ان تینوں اصولوں کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی تعبیریں کی گئی ہیں ۔اگر چہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں تیسرے اصول یعنی احسان کو طریقت کے ساتھ اس وجہ سے مخصوص کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق روحانی نیکیوں سے ہے ۔یہ تینوں کیفیتیں یا حالتیں ہیں

مذہب کی یا اس کے ماننے والوں کی۔ اسلام میں توانائی کا یا توانائی کے فقدان کا دارومدار ان تین کیفیتوں پر ہیں۔

فرد کا مذہب ہو یا پوری اُمت مسلمہ کا، اس کا عروج و زوال اس حساب سے ہوتا ہے کہ یہ تین اصول اس کے یہاں کتنی گہرائی رکھتے ہیں یا کتنے سطحی ہیں۔ ان اصولوں کو قرآن کی سند حاصل ہے اور ان کی حیثیت ایک زینے کی سی ہے جسے طے کر کے خدا سے قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے اپنا نام اصول اسلام سے اخذ کیا ہے، اس لئے کہ یہی وہ کیفیت ہے جس سے اس دین کے پانچ ارکان ماخوذ ہیں۔ یہ پانچ ارکان دین اسلام کی عبادت کے طریقے ہیں جو مسلمان کو مصروف عمل رکھتے ہیں اور اس لئے اس کے ایمان کے خارجی یا بین مظاہر ہیں۔

ان اصول دین کے بارے میں ایک مشہور حدیث ہے۔ اس میں تصور اس طرح کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل آتے ہیں اور ان میں سے ایک ایک اصول کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہیں۔ ایمان کے متعلق سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے خدا پر ایمان اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتاب مقدسہ پر، اور اس کے پیغمبروں کا جملہ اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ خدا کے نزدیک سب پیغمبر برابر ہیں، اور اس حقیقت کی کہ متعدد شخصیتیں پیغام وحی کو لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنی ہیں ایمان جس کا یہاں ذکر ہوا ایک نظام عقائد ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کی حیثیت باطنی ایمان کی بھی ہے جو اصول سازیوں سے بلند و بالا ہے اور اگر ہم علمائے دینیات اور صوفیاء کی تحریروں کو پیش نظر رکھیں تو اس اصطلاح کا زیادہ گہرا مفہوم اس باطنی ایمان میں پوشیدہ ہے۔

جب حضرت جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ سے دوسرے اصول اسلام کی وضاحت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد یہ چیزیں ہیں: شہادت، پنجگانہ نماز، رمضان کے روزے، زکوۃ، اور حج۔ یہ مشہور و معروف پانچ ارکان دین ہیں۔ ان میں وہ بنیادی عبادات سمٹ آتی ہیں جو بخشش کے لئے بجالائی جاتی ہیں اور جو باعث برکت و رحمت سمجھی جاتی ہیں۔ چھٹا رکن

جہاد ہے مگر اس کے رکن دین ہونے کے بارے میں اختلافات ہیں ۔تا ہم اس سے اتنا تو ظاہر ہو ہی جاتا ہے کہ اسلام جنگ کو بھی بشرطیکہ وہ بتائے ہوئے اصول وضوابط کے تحت لڑی جائے، ان عبادات میں شمار کرتا ہے جن کے ذریعے مسلمان اپنی بخشش کا سامان کرتا ہے۔

ان ارکان دین کی تفصیلات سنت رسول ﷺ میں نظر آئیں گی ۔یہ ارکان دین اس صورت میں قابل قبول ہیں کہ بجالانے والے کی نیت صالح ہو۔اس شرط کی بدولت یہ ارکان دین میکانکی کاروائی کے خانے سے نکل جاتے ہیں اور سچی عبودیت کے زمرے میں چلے جاتے ہیں ۔یہ بھی شرط رکھی ہے کہ ان عبادات کے بجالاتے وقت نیت نیک ہونی چاہیے ۔اسلامی عبادات ایسی نہیں ہیں کہ آپ جس طرح چاہیں بجالائیں ۔اگر دین اسلام آج تک چٹان کی سی مضبوطی کے ساتھ قائم ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ارکان دین رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے، اس وقت سے جب آپ ﷺ پہلی بار انہیں بجالائے تھے،اسی شکل میں قائم ہیں ۔یہ عبادات تزکیہ نفس کا ذریعہ ہیں اور اس کا پیمانہ یہ ہے کہ ان سے روح کو کتنی طمانیت حاصل ہوئی ۔ رسول اللہ ﷺ نے پنج گانہ نماز کے بارے میں فرمایا کہ اسے بجالانا ایسا ہے جیسے آدمی دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے۔

ان دینی فرائض کا سرسری بیان ہو جائے تو اس سے شریعت کے سیدھے سچے تانے بانے کو سمجھنے میں آسانی رہے گی ۔یہ وضاحت ہو چکی کہ شہادت کا کلمہ شریعت اور طریقت دونوں جگہ سب سے بنیادی چیز ہے ۔عبادات میں بھی اس کا بہت استعمال ہوتا ہے،اس طرح کہ دعا کے طور پر اس کا ورد کیا جاتا ہے، بہ آواز بلند یا دل ہی دل میں ۔پھر اس کی یہ حیثیت بھی ہے کہ جسے اسلام قبول کرنا ہوتا ہے،وہ چند گواہوں کی موجودگی میں یہ کلمہ بہ آواز بلند پڑھتا ہے ۔یہ کلمہ پڑھنے کے بعد ہی وہ ایک مسلمان بنتا ہے ۔نئے پیدا ہونے والے بچے کے کان میں بھی یہ کلمہ پڑھا جاتا ہے ۔اسی طرح مرنے والے کے کان میں بھی پڑھا جاتا ہے ۔یعنی کلمہ شہادت دنیا میں آمد اور دنیا سے رخصت دونوں اوقات میں مسلمان کا رفیق ہوتا ہے۔

نماز روزانہ پانچ وقت پڑھی جاتی ہے، صبح سویرے، دو پہر، سہ پہر، غروب آفتاب کے وقت اور شام کے بعد اندھیرا پھیلنے پر۔ جن ساعتوں میں جو نماز پڑھی جاتی ہے، انہی ساعتوں سے وہ منسوب ہوتی ہے جیسے فجر کی نماز، نماز ظہر، نماز عصر، وغیرہ۔ نماز کے لئے وضو ضروری ہے۔ آپ کس حد تک نجس ہیں، اس کے حساب سے سنت نے پاکیزگی کا الگ الگ تعین کیا ہے۔ مسلمان قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتا ہے۔ مسجد میں تو محراب سے کعبے کا رخ (قبلہ) متعین ہو جاتا ہے لیکن اگر آدمی مسجد سے باہر کہیں نماز پڑھ رہا ہو تو اسے پتہ ہونا چاہیے کہ قبلہ کس سمت میں ہے۔ نماز رکوع وسجود اور قیام وقعود کا ایک مکمل مجموعہ ہوتی ہے۔ رکوع، سجدے، قیام اور قعود ہی سے ایک رکعت بنتی ہے۔ ہر نماز دو، تین یا چار رکعتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نماز میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ضرور پڑھی جاتی ہے۔ سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور مختصر سورہ ملائی جاتی ہے۔ نماز صرف مقدس عربی زبان میں بہ آواز بلند یا دل ہی دل میں پڑھی جاتی ہے۔ جو کلمات اور جو آیتیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں، وہ نمازی کو زبانی یاد ہونی چاہئیں۔ اس لئے کہ نماز کتاب ہاتھ میں لے کر نہیں پڑھی جاسکتی۔ لباس کس قسم کا ہونا چاہیے، ہاتھوں کو اور آنکھ کو کس طرح گردش دینی چاہیے، اس کے بارے میں باقاعدہ ہدایات ہیں جو سنت رسول ﷺ سے ماخوذ ہیں۔ یوں تو یہ پورا عمل غیر شخصی نظر آتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ نماز اس بات کی توثیق ہے کہ آدمی روئے زمین پر اللہ کا نائب ہے۔ وہ اپنے ہی لئے نہیں باقی تمام مخلوقات کی طرف سے بھی یہ فریضہ بجا لاتا ہے۔ نماز کے اختتام پر دعا مانگی جاتی ہے۔ یہ اپنی زبان میں خدا سے التجا ہوتی ہے۔ دعا کے شروع اور آخر میں قرآن کی کوئی آیت یا قرآنی عربی میں کوئی کلمہ ہوتا ہے۔ دعا وہ چیز ہے جس کے ذریعے خدا سے ایک نزدیکی رشتہ قائم کیا جاتا ہے۔

رمضان کے روزے کا طریقہ یہ ہے کہ فجر اور مغرب کے درمیانی اوقات میں کھانے پینے اور جماع کرنے سے مکمل اجتناب کیا جاتا ہے۔ چونکہ اسلام قمری کیلنڈر کی پابندی کرتا ہے،

اس لئے روزے گرمی کے موسم میں بھی آسکتے ہیں۔اس موسم میں روزے،بہت سخت گزرتے ہیں۔ رمضان کا پوری اسلامی دنیا میں بڑی گرمجوشی سے استقبال ہوتا ہے۔اس ماہ کے روزے معاشرتی زندگی میں بڑی ہلچل پیدا کرتے ہیں۔وہ لوگ بھی جو ایسے عبادت گزار نہیں ہوتے، روزے پابندی سے رکھتے ہیں۔شاید ایسا موقع سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔گویا سال میں ایک مرتبہ روح پاک صاف ہوجاتی ہے۔سال کے باقی ایام میں تو وہ غفلت کے بوجھ تلے دبی رہتی ہے۔

زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان سال میں ایک مرتبہ اپنی دولت کا ایک مخصوص حصہ غریبوں میں بانٹتا ہے۔اگر آدمی کی دولت روپے پیسے کی شکل میں ہے تو آمدنی کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ کی مد میں نکال دیا جاتا ہے۔زکوٰۃ کا فریضہ بھی ایک تطہیری عمل کا حامل ہے جس کا اثر نہ صرف آدمی کی دولت پر بلکہ اس کی سیرت وفطرت پر بھی مرتب ہوتا ہے۔اس سے خیرات دینے کی عادت پرورش پاتی ہے اور دنیاوی مال ومتاع سے بے نیازی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ ایک واجب حکم کے طور پر آتی ہے۔مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا سال کے باقی ایام میں ہمسایوں اور عزیز واقربا کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے،ان کی مالی مدد کرتا ہے،یا خیرات دیتا ہے۔یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ رمضان کے روزے تو ایک طرح سے ترک دنیا کے رویے کی نمائندگی کرتے ہیں،اگر چہ اس ترک دنیا کی حیثیت عارضی ہوتی ہے۔زکوٰۃ کا عمل یہ ہے کہ وہ آدمی کو مال دنیا کی ہوس سے نجات دلاتی ہے۔

حج کا معاملہ یہ ہے کہ اگر مسلمان استطاعت رکھتا ہو تو اسے حج ضرور بجالانا چاہیے۔ مکہ کی وہ متبرک عمارت جسے کعبہ کہتے ہیں حج کا مرکز ومحور ہے۔سال کے سال ہزاروں لاکھوں مسلمان کھنچ کھنچ کر وہاں پہنچتے ہیں۔حج قمری کیلنڈر کے آخری مہینے میں ہوتا ہے۔اس مہینے کو ذی الحجہ کہتے ہیں۔اس ماہ کی دسویں تاریخ کو عید قربان کے طور پر منایا جاتا ہے کہ ذبیحوں کی قربانی دی جاتی ہے۔یہ رسم اس واقعے کی یادگار ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کی قربانی دینے لگے تھے مگر پھر حکم خداوندی سے بیٹے کی قربانی کو مینڈھے کی قربانی سے بدل دیا گیا۔

میں کیسے تبدیل ہو جاؤں

(جاوید چوہدری)

ہم لوگ بچے کو نفسیات دان کے پاس لے گئے۔ بچہ بظاہر صحت مند تھا، خوبصورت اور ہشاش بشاش بھی تھا، وہ تمیز دار، مہذب اور ذہین بھی دکھائی دیتا تھا اور پڑھائی میں بھی اچھا تھا، والدین کو بس اس سے دو شکایتیں تھیں، وہ ڈسپلنڈ نہیں تھا، وعدہ پورا نہیں کرتا تھا اور آج کا کام کل پر ڈال دیتا تھا اور دوسری شکایت وہ ڈھیٹ تھا، وہ اپنی ہٹ دھرمی سے نہیں ہٹتا تھا، دل میں جو آ گیا بس وہ کر کے رہتا تھا، خواہ آپ کچھ بھی کر لیں یا اسے اس کا کوئی بھی خمیازہ بھگتنا پڑے، میرا دوست بیٹے کی ان دونوں عادتوں سے تنگ تھا، بچہ ان کی اکلوتی اولاد تھا، بزنس اربوں روپے میں تھا، بیٹے نے چند سال بعد اربوں روپے کی یہ پوری سلطنت سنبھالنی تھی۔ چنانچہ وہ بچے کے حوالے سے پریشان رہتا تھا، والد نے بیٹے پر ہر طریقہ استعمال کر کے دیکھ لیا تھا، وہ اسے بار بار سمجھا بھی چکا تھا، سختی بھی کر کے دیکھ لی تھی منتیں بھی ہو چکی تھیں، بچے کو تعویز دھاگے اور جھاڑ پھونک کے عمل سے بھی گزار دیا گیا تھا، والدین نے اس کے دوست، اس کے احباب بھی بدل کر دیکھ لیے تھے اور اسے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بھی ڈال اور نکال کر چیک کر لیا گیا تھا، والد کے دوست بھی بچے کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے لیکن یوں محسوس ہوتا تھا بچہ جیسے کنکریٹ کا بنا ہوا ہو، وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا، وہ سب کی سنتا تھا ہاں میں سر بھی ہلاتا تھا، خوش دلی سے ہاتھ بھی ملاتا تھا اور نصیحت کرنے والے کا گرم جوشی سے شکریہ بھی ادا کرتا تھا لیکن کرتا وہی تھا جو وہ اس سے پہلے

کر رہا ہوتا تھا، وہ اپنی روٹین تبدیل نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ والد کے پاس اب ماہرِ نفسیات کے علاوہ کوئی آپشن نہیں بچا تھا، بچہ میری عزت کرتا تھا، والد نے مجھے اسے کلینک تک پہنچانے کی ذمہ داری دے دی میں نے بچے کو دفتر بلایا، گاڑی میں بٹھایا اور سیدھا کلینک لے گیا، کلینک کے سامنے پہنچ کر بچے کی ہنسی نکل گئی، اس نے شرارتی نظروں سے میری طرف دیکھا اور ہنس کر بولا ''آپ بھی مجھے پاگل سمجھتے ہیں'' میں نے قہقہہ لگا کر جواب دیا ''ہرگز نہیں، میں یہاں آپ کو نہیں آپ کے والدین کو لایا ہوں، علاج آپ کا نہیں آپ کے اماں ابا کا ہوگا'' اس نے بھی قہقہہ لگایا اور ہم کلینک کے اندر داخل ہو گئے۔

میرا دوست اور ان کی بیگم ڈاکٹر کے پاس بیٹھے تھے، وہ ڈاکٹر کو تفصیلات بتا چکے تھے چنانچہ جب ہم اندر داخل ہوئے تو نفسیات دان نے مسکراتے ہوئے بچے کی طرف دیکھا اور اس سے ڈھیٹ ہونے کی وجہ پوچھی، بچے نے ہنس کر جواب دیا، سر میں نارمل ہوں، میرے والدین میرے بارے میں ضرورت سے زیادہ فکرمند ہیں، ڈاکٹر نے پوچھا کیا آپ والدین کے تقاضوں کو غلط سمجھتے ہیں، وہ فوراً بولا ہرگز نہیں، میں دل سے سمجھتا ہوں ان کی باتیں درست ہیں، میں یہ باتیں سن کر ان کے ساتھ وعدہ بھی کر لیتا ہوں لیکن جب میں واپس جاتا ہوں میں نہ جانے کیوں سپرنگ کی طرح ویسا ہو جاتا ہوں جیسا میں ان کی نصیحت سے پہلے ہوتا ہوں، مجھے آج تک اپنی اس عادت کی سمجھ نہیں آئی، ڈاکٹر مسکرا دیا اور پھر ہماری طرف مڑ کر بولا، آپ کے بچے میں کوئی خرابی نہیں ہے، خرابی آپ کے اندر ہے، والدین حیرت سے ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگے، ڈاکٹر نے کہا انسانی روّیے باقاعدہ سائنس ہیں، آپ جب تک یہ سائنس نہیں سمجھیں گے آپ اس وقت تک اپنے بچوں اور معاشرے کے روّیوں کا اندازہ نہیں کر سکیں گے۔ ہم خاموشی سے سنتے رہے، ڈاکٹر صاحب بولے انسان سیکھنے اور سمجھنے والا جانور ہے، اللہ نے ہمیں سمجھنے اور سیکھنے کی لامتناہی

صلاحیتیں دے رکھی ہیں، آپ دیکھ لیں لاکھوں کروڑوں سال کے ارتقاء کے باوجود تیرنے والے جانور، رینگنے اور دوڑنے والے جانوروں کی طرح سیدھا کھڑا ہونا اور رینگنا نہیں سیکھ سکے اور ان دونوں نے مل کر پرندوں کی طرح اڑنا نہیں سیکھا جانور انسان کی طرح بولنا، چلنا، رہنا، دوڑنا کام کرنا اور اپنی زندگی کو آرام دہ بنانا نہیں سیکھ سکے۔ یہ انسان ہے جس نے دوڑنا (فاصلے کم کرنا) اڑنا، تیرنا، بولنا اور طاقتور ہونا دیکھا اور پوری کائنات کو حیران کر دیا، سوال یہ ہے انسان نے یہ کارنامہ کیسے انجام دیا؟ اس کے پیچھے صرف ایک راز ہے اور وہ راز ہے "سیکھنے کی اہلیت" انسان میں باقی تمام مخلوقات کے مقابلے میں سیکھنے کی اہلیت زیادہ ہوتی ہے، آپ انسان کو سیکھنے سے باز نہیں رکھ سکتے اور سیکھنے کے دو عنصر ہوتے ہیں، دیکھ کر سیکھنا اور سن کر سیکھنا، انسان نوے فیصد چیزیں دیکھ کر سیکھتا ہے، ہم لوگ کیا چیز ہیں، ہماری عادتیں ہمارے روّیے اور ہماری شخصیت کیا ہوگی یہ فیصلہ ہماری زندگی کے ابتدائی 13 سال کرتے ہیں، ہم ان 13 برسوں میں جو دیکھتے ہیں وہ دیکھنا ہماری شخصیت، ہمارے روّیے اور ہماری عادتیں بن جاتا ہے، ہم سب اپنی ماں کی طرح مسکراتے ہیں، کیوں؟ کیوں کہ ہم ماں کی مسکراہٹ دیکھ دیکھ کر مسکرانا سیکھتے ہیں، ہمارا لہجہ ہماری دادی، نانی اور خالہ جیسا ہوتا ہے کیوں کہ ہم ان کی گود میں پل کر بڑے ہوتے ہیں، ہم ان کے منہ کے لفظ اچک کر بولنا سیکھتے ہیں اور ہم اپنے گھر کے بڑوں مثلاً والد، دادا، نانا، چچا، بڑے بھائی اور بڑی بہن کی طرح چلتے ہیں، کیوں؟ کیوں کہ ہم ان کو دیکھ کر چلنا سیکھتے ہیں، انسان کی زیادہ تر عادتیں 13 سال میں مکمل ہو جاتی ہیں اور یہ باقی زندگی ان عادتوں کی ہلکی پھلکی کانٹ چھانٹ کر کے گزارتا ہے، ڈاکٹر رکا، لمبی سانس لی اور بولا ہم والدین ایک غلطی کرتے ہیں، ہم اپنے بچوں کو دکھاتے کچھ اور، بولتے کچھ اور ہیں، بچے کیوں دیکھ کر سیکھتے ہیں چنانچہ یہ وہ سیکھ جاتے ہیں جو یہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اور یہ ہرگز ہرگز وہ نہیں سیکھتے جس کا ہم انہیں لیکچر دیتے ہیں، اللہ تعالٰی

انسان کی اس فطرت سے واقف ہے چنانچہ اس نے کتابیں چار اور نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار بھیجے ہیں، کیوں؟ کیوں کہ یہ جانتا ہے ہم لوگ فرمودات سے نہیں سیکھیں گے، ہم آسمانی کتابوں کا عملی نمونہ دیکھ کر سیکھیں گے لہٰذا اس نے ہمیں دکھانے کا زیادہ اور سنانے کا کم بندوبست کیا، ہم مسلمان آج بھی قرآن مجید کے احکامات پر اتنا عمل نہیں کرتے جتنا ہم سنت پر عمل کرتے ہیں، کیوں؟ کیوں کہ ہمارے آباؤ اجداد نے نبی اکرمﷺ کو دیکھا تھا اور ان سے سنت سیکھی تھی وہ رکا اور بولا، میں نے آپ کی کہانی سن کر اندازہ کیا، آپ کا بیٹا جب پیدا ہوا تھا تو آپ اس وقت سٹرگل کر رہے تھے اور سٹرگل کرنے والے لوگ ڈھیٹ بھی ہوتے ہیں اور بعض اوقات نان ڈسپلنڈ بھی، مزدور یا کلرک اپنا وعدہ کیوں پورا نہیں کرتا؟ وہ سٹرگل کی عمر سے گزر رہا ہوتا ہے اور اس وقت اسے جہاں سے چند پیسے زیادہ ملتے ہیں وہ کم پیسوں کا کنٹریکٹ ادھورا چھوڑ کر نئی جاب پر چلا جاتا ہے چنانچہ ہمیں یہ لوگ نان ڈسپلنڈ اور وعدہ خلاف دکھائی دیتے ہیں، دوسرا، دنیا میں ترقی کرنے والے زیادہ تر لوگ ہٹ کے پکے ہوتے ہیں، یہ پیچھے نہیں ہٹتے چنانچہ یہ بالآخر کامیاب ہو جاتے ہیں، آپ بھی اپنی ہٹ کی وجہ سے کامیاب ہوئے، آپ کے بیٹے نے بچپن میں آپ میں یہ دونوں خرابیاں دیکھیں اور یہ آپ سے یہ دونوں چیزیں سیکھ گیا، آپ آج بھی ایسے ہی ہیں، یہ آپ کی ہٹ ہے جو بیٹے کو لے لے کر پھرنے پر مجبور کر رہی ہے لہٰذا آپ کے بیٹے نے جو دیکھا وہ ویسا بن گیا، اس میں اس کی کیا غلطی ہے؟ وہ رکا اور پھر بولا، ہم والدین اپنے بچوں کو جیسا بنانا چاہتے ہیں ہم اگر ویسا بن جائیں تو یہ خود بخود بغیر کچھ کہے سنے ویسا بن جائیں گے، آپ اپنے بچوں کو سچا دیکھنا چاہتے ہیں، آپ خود جھوٹ ترک کر دیں، آپ کا بچہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا، آپ اپنے بچے کو مہذب، سمجھدار، بیلنس، قانون پسند، دھیما، ریلیکس، پڑھا لکھا اور وعدے کا پابند دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ خود وعدے کے پابند پڑھے لکھے ریلیکس، دھیمے، قانون پسند، متوازن، سمجھدار اور

مہذب ہو جائیں ،آپ کے بچے بھی آپ جیسے ہو جائیں گے چنانچہ آپ اگر اپنے بچے کی ہٹ دھرمی اور ڈسپلنڈ کی کمی دور کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنی ذات سے ہٹ دھرمی اور سستی نکال دیں آپ کا بچہ پانچ دس سال میں آپ جیسا ہو جائے گا ورنہ آپ حضرت موسیٰ کی طرح اسے جتنا بھی سمجھالیں گے یہ بنی اسرائیل کی طرح اپنی ضد کے بچھڑے بناتا رہے گا،یہ اپنی ہٹ دھرمی سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔

ہم خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے ،ڈاکٹر صاحب چند لمحے رک کر بولے، قدرت تین نسلوں کو ایک نسل سمجھتی ہے ،آپ کی غلطی کا خمیازہ آپ کی اولاد اور پھر اس کی اولاد بھگتی ہے اور آپ یہ سزا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں چنانچہ آپ اور آپ کی اولاد اگر سزا سے بچنا چاہتی ہے تو آپ ان کو ویسا بن کر دکھا دیں جیسا آپ انہیں بننے کی تلقین کرتے ہیں۔آپ کے بچے بغیر کچھ سنے اچھے بن جائیں گے،آپ یقین کریں میں نے آج تک کسی اچھے انسان کے بچے کو برا نہیں دیکھا اور جن اچھے لوگوں کے بچے برے نکلتے ہیں وہ لوگ دراصل اچھے نہیں ہوتے ،وہ صرف دنیا کے سامنے اچھا ہونے کی اداکاری کرتے ہیں،ان کا بچہ کیوں کہ ان کے اصل سے واقف ہوتا ہے چنانچہ وہ اصل جیسا بن جاتا ہے اور دنیا اسے حیرت سے دیکھتی رہتی ہے ،ڈاکٹر صاحب خاموش ہو گئے ،میرے دوست کے بیٹے نے قہقہہ لگایا،ڈاکٹر کی طرف انگوٹھا لہرایا اور بولا،ویل ڈن ڈاکٹر صاحب ،یہ خود بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور مجھے روز بدلنا چاہتے ہیں، آپ خود فیصلہ کیجیے میں کیسے تبدیل ہو جاؤں میرے دوست نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

بشکریہ : ایکسپریس نیوز

اللہ کی یاد

(مرسلہ: ماجد محمود توحیدی)

اتوار کی چھٹی گزارنے جب میں اپنے گھر گیا اور اپنے والد صاحب کے کمرے میں ان سے ملنے گیا تو خلاف توقع ان کے ہاتھ میں سمارٹ فون تھا اور وہ وٹس ایپ پہ میسج لکھ رہے تھے۔ یہ صورت حال میرے لیے نہ صرف نئی تھی بلکہ حیران کن بھی۔ حیران ہو کر پوچھا کہ ابا جی لگتا ہے تبدیلی واقعی آ گئی ہے۔ اس عمر میں وٹس ایپ پر ابا جی مسکرائے اور کہنے لگے "یہ اتنی بھی بری چیز نہیں" آپ نے کہا۔ ایک نکتہ بڑی آسانی سے اس موبائل نے سمجھا دیا جو میں برسوں نہیں سمجھ پایا تھا" میری حیرت میں اضافہ ہو گیا ایسا بھلا کون سا نکتہ ہو سکتا ہے جو ابا جی کو سمارٹ فون سے سمجھ آیا۔ درخواست کی کہ تفصیلات بیان فرمائیں تاکہ ہم بھی مستفید ہو سکیں۔ ابا جی بولے کہ میں دس بارہ دن سے دوستوں کے ساتھ وٹس ایپ پہ رابطے میں ہوں۔ جو دوست ایک دو دن رابطہ نہیں کرتے ان کے نام اور پیغامات بہت نیچے چلے جاتے ہیں۔ اتنے نیچے کہ میرا ہاتھ تھک جاتا ہے سکرول کرتے کرتے اور جو رابطے میں رہتا ہے وہ لسٹ میں سب سے اوپر رہتا ہے۔ عرض کیا کہ ایسا ہی ہوتا ہے اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ یہ تو ہمیں سالوں پہلے پتا تھا۔ ابا جی کہنے لگے، تم نے میری بات پہ غور نہیں کیا۔ ہم سب کا ایک ربّ ہے جب ہم اس کے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں، اس کو یاد کرتے ہیں، اس سے مانگتے رہتے ہیں تو اس کے پاس موجود لسٹ میں ہمارا نام اوپر ہی اوپر رہتا ہے۔ لیکن جیسے ہی ہم اس سے غافل ہو جاتے ہیں لسٹ میں ہمارا نام بہت نیچے چلا جاتا ہے۔ بس میں یہی نکتہ سمجھا ہوں کہ اگر اس کی لسٹ میں نام اوپر رکھنا ہے تو اسے ہر وقت کسی نہ کسی طرح یاد کرتے رہنا چاہیے۔

وقت

(واصف علی واصف)

جس طرح غم دل کو کھاتا ہے اور دل غم کو کھاتا ہے اسی طرح ہم وقت کو برباد کرتے رہتے ہیں اور وقت ہمیں برباد کرتا رہتا ہے۔ یہ کھیل کب سے شروع ہے، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ وقت کیا ہے اس کا فیصلہ بھی مشکل ہے ہم نے وقت کو شب و روز میں تقسیم کر رکھا ہے۔ موسموں میں بانٹ رکھا ہے، لیکن یہ دن، یہ رات، یہ گرمی، یہ سردی، یہ بہار، یہ برسات سب سورج کے دم سے ہیں اور ماورائے شمس بھی کائنات ہے، بلکہ کائنات ہے ہی ماورائے شمس و قمر اور جہاں نہ دن ہے نہ رات، وہاں بھی وقت ہے۔

وقت کب شروع ہوا اور کب ختم ہوگا۔۔۔اس کا فیصلہ بھی مشکل ہے۔وقت قدیم بھی ہے اور حادث بھی ۔۔۔قدیم وہ جو ہر آغاز سے پہلے اور ہر انجام کے بعد قائم رہے۔جس کا نہ یوم پیدائش ہو نہ یوم وصال ۔۔۔ہم خالق کو، اللہ کو قدیم مانتے ہیں اور وہ ہے بھی قدیم۔ کسی اور ذات یا کسی اور شے کا قدیم ہونا خالق کی احدیت کے باب میں شرک ہے۔حادث وہ جو پیدا ہو اور ایک خاص محدود عرصہ کے بعد مر جائے۔

جو لوگ وقت کو قدیم مانتے ہیں وہ وقت کو خالق ہی مانتے ہیں۔ جو لوگ وقت کو قدیم نہیں مانتے، وہ اسے مخلوق سمجھ کر حادث اور فانی کہتے ہیں۔وقت کو فانی ثابت کرنا مشکل ہے۔

حادث و قدیم کے بارے میں بڑی بحث ہوتی رہی ہے۔ اللہ قدیم ہے۔ انسان حادث ۔۔۔کوئی انسان جب قدیم نہیں ہوسکتا تو کسی انسان کی حیات بعد ممات بالوجود کیسے تسلیم ہوسکتی ہے۔اسی بات پر مسلمانوں کے اندر اختلاف رہا ہے۔حیات النبیؐ کا مسئلہ یہی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ قدیم کے بارے میں جتنا علم دنیا میں موجود ہے، حادث کے ذریعہ سے ہے۔ اللہ کا کلام، اللہ کی صفات، اللہ کے احکامات و ارشادات سب انسانوں ہی کے ذریعہ سے ہے۔ اب یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کون سا مقام ہے، جہاں حادث اور قدیم ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ قدیم جب حادث سے کلام کرتا ہے، تو کلام بھی قدیم ۔۔۔ قدیم کا قدیم کلام، حادث کو حادث کیسے رہنے دے گا۔

اللہ کا ارشاد کہ وہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ بھی ہو، یہ ایک حقیقت ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ درود کا سلسلہ قدیم نے

۱۔ کب شروع کیا۔

۲۔ کب تک رہے گا یہ سلسلہ۔

حضورؐ کی ظاہری پیدائش مبارک سے یہ سلسلہ شروع ہوا تو کلام قدیم نہ ہوگا۔ اور اگر یہ سلسلہ آپ کے ظاہری وصال مبارک پر ختم ہو جاتا ہو، تو بھی یہ کلام قدیم نہ ہوگا۔ ہم ثابت کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ صرف یہ عرض ہے کہ قدیم کا عمل بھی قدیم ہے، قدیم کا وجود بھی قدیم ہے، قدیم کی محبت بھی قدیم ہے اور قدیم کا محبوب بھی قدیم ہی ہے۔

حدوث و قِدم کی یہ بحث یوں ختم ہو جاتی ہے کہ

ہے قِدم حدوث سے ماورا
تو قِدم حدوث کا ہے گماں
ہے قِدم کا جلوہ حدوث میں
تو قِدم حدوث کی ضد کہاں؟

بہر حال یہ اُن کی بات ہے وہی جانتے ہیں۔ قدیم حدوث سے باہر نہیں جدا نہیں نہ ہی قدیم حدوث میں پابند ہے اور نہ مبتلا ہے۔ ہر جلوہ قدیم کا جلوہ ہے لیکن کوئی جلوہ از خود قدیم نہیں یہی ہے ادب کی حد ۔۔۔ حفظِ مراتب کی حد، عابد اور معبود کی حد ۔۔۔ خالق اور مخلوق کی حد

۔۔۔راز اور محرم راز کی۔۔۔۔

بہر حال ہم وقت کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے کہ وقت قدیم ہے کہ حادث اُس کا فیصلہ مشکل ہے۔

وقت کے لامحدود خزانوں سے ہمیں چند محدود ایام ملتے ہیں۔ہم اس وقت کو زندگی کہتے ہیں اسے گزارتے ہیں خوشیوں کے ساتھ غم کے ساتھ محفلوں میں تنہائی میں محنت کے ساتھ آرام کے ساتھ ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان ایام کو ہم کیا کریں۔

مجبوری دیمک کی طرح ہماری زندگی کو چاٹ لیتی ہے گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔

ہم کچھ نہ کچھ بنا چاہتے ہیں بلکہ ہم سب کچھ بنا چاہتے ہیں اور سب کچھ بنتے بنتے ہم انجام کار بے وقوف بن کے رہ جاتے ہیں۔

ہم وقت کو بچاتے ہیں اسے بچاتے بچاتے ایک دن ایسا آتا ہے کہ فرشتہ ہمارے کان میں کہتا ہے کہ ختم ہو گیا۔۔۔وقت ختم ہو گیا۔۔۔کیسے ختم ہو گیا۔۔۔میں نے خرچ نہیں کیا۔۔۔ختم کیسے ہوا۔۔۔یہ ظلم کہ جمع کیا ہوا خرچ سے پہلے ختم ہو گیا۔۔۔

انسان کو جب یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے اس پر جب یہ راز منکشف ہوتا ہے تو وہ ہنستا ہے اور اس کی آنکھ میں آنسو ہوتے ہیں مسافر کا سفر طے نہیں ہوتا اور ختم ہو جاتا ہے۔

انسان وقت کے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ منزلیں طے ہو رہی ہیں فتوحات ہو رہی ہیں لیکن آخر کار یہ گھوڑا، اپنے سوار، بلکہ شہسوار کو گرا کر بے یار و مدد گار چھوڑتا ہوا غائب ہو جاتا ہے اپنے نئے سوار کی تلاش میں۔۔۔وقت ختم ہو جاتا ہے لیکن وقت کا قافلہ چلتا رہتا ہے۔حادث اور قدیم کی بحث جاری رہتی ہے۔

ہماری زندگی وقت ہی ہے۔ہمارے پاس بڑا وقت ہے لیکن ہمارے پاس کوئی وقت نہیں۔۔۔ہماری ساٹھ سال کی اوسط زندگی میں بیس سال تو نیند کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ہم اپنا وقت گزارنے کے لیے کچھ وقت بیچ دیتے ہیں۔نوکری کرتے ہیں مزدوری کرتے

ہیں، آزادیوں میں غلامی کرتے ہیں اور اس کے عوض جو معاوضہ ملتا ہے اس سے زندگی کو باشعور اور باسلیقہ بناتے ہیں۔ جب شعور اور سلیقہ حاصل ہوتے ہیں تو ہم خود ہی لا حاصل ہو چکے ہوتے ہیں ہم نے جو خرچ کیا وہ خرچ ہو گیا ۔۔۔ جو بچایا وہ خرچ ہو گیا ۔۔ ہمارا قوی وجود آخر کار ریت کی دیوار کی طرح اندر ہی گرتا ہے اور یہ وجود نا موجود ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے وقت کو خوش گوار مستقبل کے لیے گزار او ہ نہ سمجھے کہ وہ خوش گوار مستقبل کب آئے گا ۔۔۔ زندگی ایک خوف ناک اور حسرت ناک ماضی بنتی جا رہی ہے اور لگا ہیں خوش گوار مستقبل پر لگی ہیں ۔ وقت ضائع کرنے کا خوبصورت طریقہ یہی ہے کہ ایک نامعلوم موہوم لیکن حسین مستقبل کا انتظار کیا جائے ۔ خوابوں کے خوبصورت آئینوں میں نظارے دیکھے جائیں ۔۔۔ لیکن جب حقائق پر نظر پڑے، تو طلسم ختم ہو جائے، آئینے ریزہ ریزہ ہو جائیں اور خوبصورت خواب ایک بھیانک تعبیر دے کر رخصت ہو جائے ۔ وقت کی محنت عمر کی کمائی، وقت ہی برباد کر دے ۔۔۔

جو لوگ اپنے وقت کا معاوضہ اپنے وقت میں وصول کرنا چاہتے ہیں وہ اکثر برباد ہو جاتے ہیں ۔ یہ زندگی یہ عمر یہ زمانہ ۔ یہ وقت کسی اور وقت کے لیے محنت کا زمانہ ہے یہ زندگی کسی اور زندگی کی طرف ایک قدم ہے ۔ یہ وقت کسی اور وقت کی طرف رجوع کا وقت ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جتنے بھی قابل ذکر اور قابل قدر نفوس ائے وہ ہمیشہ وسیع کائناتی، عظیم تخیل کے مطابق کام کرتے رہے ۔۔۔ انہوں نے اپنے زمانے سے اپنے وقت کی قیمت نہیں حاصل کی اور آج ہر زمانہ ان کا اپنا زمانہ ہے ۔ کوئی زمانہ ان کے ذکر سے خالی نہیں ۔ کوئی دور اُن کے دور کو نظر انداز نہیں کر سکتا ۔ کوئی بقا ان کو فنا سمجھ کر ترک نہیں کر سکتی ۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کو وقت نے اپنے ساتھ ملا لیا ۔۔۔ جن کو قدیم نے حدوث سے نجات دے دی ۔۔۔ سلام ہو ان فانی انسانوں پر جن کا ذکر ہمیشہ باقی رہتا ہے ۔۔۔ یہاں ایک بار پھر حادث اور قدیم کی بحث ختم ہو جاتی ہے ۔ یہاں فنا بقا کے رموز آشکار ہوتے ہیں

یہاں زمانہ، ہر زمانہ ہو جاتا ہے۔

بات بڑی آسان ہے۔ اگر انسان وقت ہو جائے تو ہمیشہ رہے گا۔۔۔ اگر وقت انسان ہو جائے تو باقی نہ رہے گا۔ انسان نے وقت کو تقسیم کر کے خود کو برباد کیا۔۔۔ ہمارا وقت گھڑیاں کھا گئی ہیں۔۔ گھڑیاں بڑھ گئی ہیں اور عمر گھٹ گئی ہے۔۔۔ جب پیمائش نہیں تھی، وقت وسیع تھا۔۔۔ جب پیمائش ہو گئی۔۔ پروگرام بن گئے، پابندی شروع ہوئی۔۔۔ باقاعدگی کی وبا پھیل گئی۔۔۔ وقت بیمار ہو گیا۔۔۔ کیونکہ وقت نہ دن ہے نہ رات، نہ موسم نہ تاریخ۔۔۔ وقت بس وقت ہے ہر آغاز سے آزاد۔ ہر انجام سے بے نیاز!!

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے بھائی محمد مشتاق احمد جنجوعہ صاحب کے چچا
ڈسکہ سے بھائی محمد اسلم چیمہ صاحب کے چچا
گوجرانوالہ سے بھائی محمد صدیق مغل صاحب کی ہمشیرہ
آدم کے چیمہ سے بھائی جاوید بٹ صاحب کے چچا
آدم کے چیمہ سے خادم حلقہ محمد صادق صاحب کی والدہ
ملتان سے خالد محمود بخاری کے ہم زلف کے والد نوید بخاری
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيْهِ رَاجِعونَ)
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
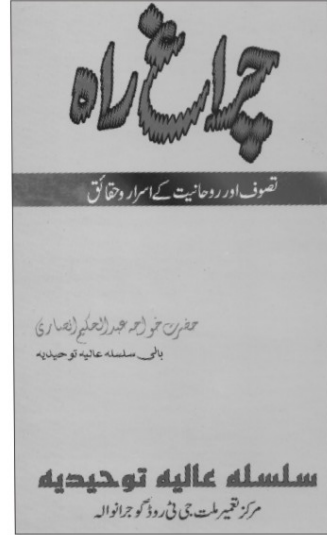
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
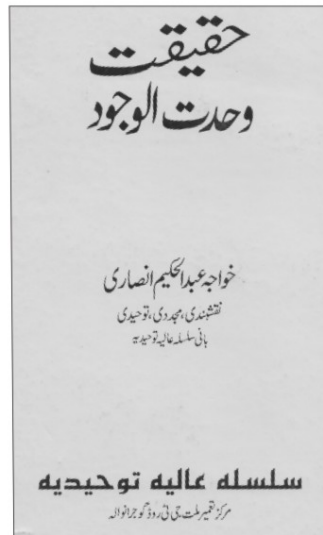
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
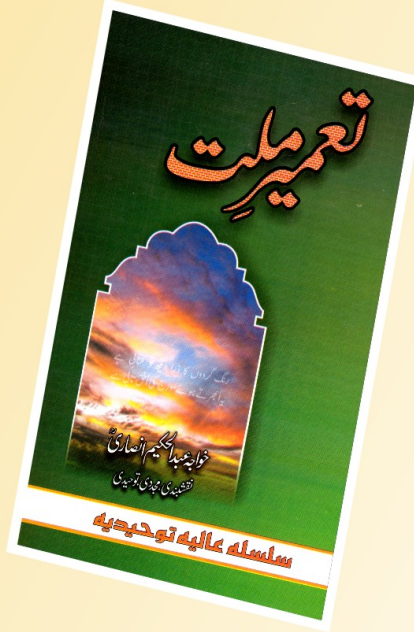
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔
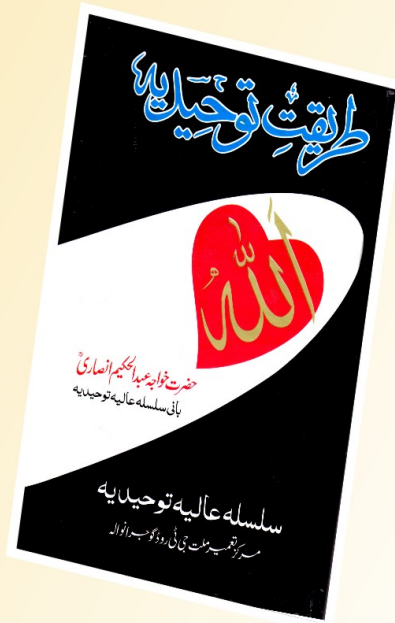
Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com